خلافتِ بنی عبّاس
مقبول انور داؤدی
FEROZSONS LTD
فیروز سنز لمیٹڈ
لاہور راولپنڈی منگلا پشاور ملتان حیدرآباد کراچی
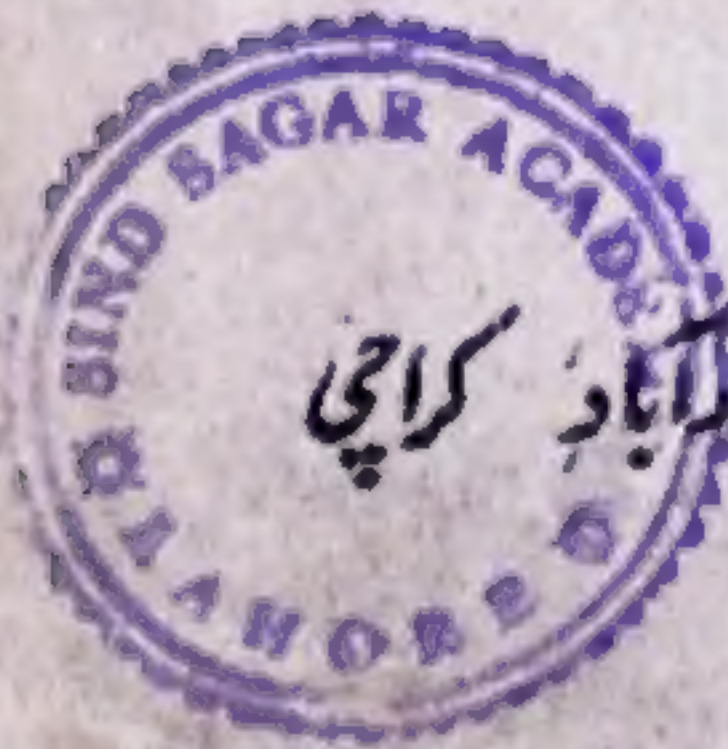
پہلی بار	۱۹۶۸ء
تعداد	دو ہزار
قیمت	۳ روپے

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالحمید خان پرنٹر اور پبلشر

فہرست

تحریکِ عبّاسیہ

عبّاسی ان کو کہا جاتا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ اس خاندان نے کوئی پانچ سو سال تک اسلامی دنیا پر حکومت کی۔ ان کے بیٹے عبداللہ ابن عباس علم و فضل اور زہد و عبادت میں بڑا بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ان کے پوتے محمد بن علی نے اپنے آپ کو اس تحریک سے وابستہ کر لیا۔ جو بنی امیہ کے مقابلے میں حضرت علی کی اولاد کو خلیفہ بنانے کی کوششوں میں مصروف تھی اس تحریک کا مختصراً تذکرہ درج ذیل ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اگرچہ ایک بڑا طبقہ اموی حکومت کے خلاف تھا مگر یہ طبقہ بھی تین گروہوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان

یں ایک فرقہ شیعہ امامیہ کا تھا جن کا عقیدہ تھا کہ امامت صرف حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی فاطمی اولاد کا حق ہے۔ چنانچہ انھوں نے علی بن حسین کو زین العابدین کا لقب دے کر اپنا امام بنا لیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے امام باقر رضی اللہ عنہ ان کے جانشین مقرر ہوئے اور ان کے بعد لوگوں نے امام جعفر صادق کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان اماموں نے غندیہ خلفائے بنی امیہ کی بیعت کی اور کبھی اپنی خلافت کے دعویدار نہیں ہوئے۔

دوسرا فرقہ زیدیہ کہلایا۔ امامیہ اور زیدیہ کے عقائد میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں۔ زیدیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وصی مانتے ہیں اور انھیں امام اوّل کہتے ہیں۔ ان کے بعد (امام حسن علیہ السلام دوسرے، امام حسین علیہ السلام) تیسرے اور امام زین العابدین کو چوتھے امام مانتے ہیں۔ لیکن امام باقر کے بارے میں دونوں فرقوں میں اختلاف ہے۔ اامیوں کا کہنا ہے کہ تیسرا بیٹا ہونے کی حیثیت سے حضرت باقر امامت کے حقدار ہیں۔ مگر زیدیوں کا گروہ یہ کہتا ہے کہ امام زین العابدین کے بعد

ہر فاطمی جو علم و فضل کے اعتبار سے بلند مرتبہ رکھتا ہو امام بن سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے زید بن زین العابدین کو اپنا امام تسلیم کر لیا۔

امامیوں نے تو کوئی قدم نہ اٹھایا مگر زیدیوں نے کوفہ میں امام زید کی خلافت کا اعلان کر کے اموی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام زید گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے۔ ان کے جانشین امام یحییٰ مقرر ہوئے مگر ان کا بھی وہی حشر ہوا۔

تیسرا گروہ کیسانیہ کہلایا جس کی بنیاد مختار ثقفی نے رکھی۔ یہ شخص ذاتی اقتدار کا بھوکا تھا اور مسلمانوں کی اس آپس کی مخالفت سے فائدہ اٹھا کر خود بر سرِ اقتدار آنا چاہتا تھا۔ وہ خونِ حسین کے قصاص اور اہلِ بیت کی حمایت کی دعوت لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

مختار نے ہر چند کوشش کی کہ اُسے امام زین العابدین کی تائید و حمایت حاصل ہو جائے۔ مگر آپ نے اس کے ارادوں کو بھانپ کر اس کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا۔ اب اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غیر فاطمی صاحب زادے محمد بن حنفیہ

کو اپنی تحریک کا سرپرست بنا لیا۔ اس نے عوام سے کہنا شروع کیا کہ یہی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے صحیح جانشین اور وقت کے مہدی ہیں۔ اس طرح اس نے اپنے گرد ایک اچھی جمعیت پیدا کر لی۔ اور پھر کوفہ کے شیعہ سرداروں کو ساتھ ملا کر عراق پر قبضہ کر لیا۔

جب حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ان حالات کا علم ہوا تو انھوں نے محمد بن حنفیہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو جو اس وقت مدینہ میں تھے گرفتار کر لیا لیکن بعد میں مختار نے ایک فوج بھیج کر ان کو رہا کرا لیا۔

عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی مصعب بن زبیر نے اگرچہ مختار کا خاتمہ کر دیا اور محمد بن حنفیہ نے علانیہ عبدالملک کی بیعت کر لی تھی تاہم کیسانیہ گروہ کے لوگ خلافت اور امامت کا حقدار انھیں کو سمجھتے رہے۔

محمد بن حنفیہ کی وفات کے بعد کیسانیہ نے ان کے بیٹے ابو ہاشم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ابو ہاشم کے کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے انھوں نے اپنا جانشین حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پوتے علی بن عبداللہ کو نامزد

شعلہ بیان مقرر ہونے کے ساتھ بڑا ذہین اور معاملہ فہم بھی تھا۔ اس نے عربوں کے خلاف عجمیوں کے جذباتِ نفرت کو اور بھڑکایا۔ اور اسے عربی تسلّط کے خلاف جد و جہد کا رنگ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ غیر عرب علاقوں میں جلد ہی یہ تحریک ایک عوامی تحریک بن گئی۔

ان دو وجوہ کی بنا پر تحریک عبّاسیہ کو زبردست تقویت ملی۔ ایک طرف اموی حکومت کی فوجی طاقت کو بڑا صدمہ پہنچا اور دوسری طرف داعیوں اور نقیبوں کو اموی حکومت کے خلاف کُھلم کُھلا پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل گیا اور اب وہ عوام سے کھلے بندوں بیعت لینے لگے۔

محمد بن علی کی وفات پر ان کے بیٹے ابراہیم جانشین ہُوئے۔ جنھوں نے ابُو مسلم خراسانی کو اپنا نائب اور تحریک کا منتظم مقرر کیا۔ مروان ثانی نے امام ابراہیم کو قید کر کے مروا ڈالا۔ گرفتاری سے پہلے امام ابراہیم نے اپنے بھائی ابوالعباس کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

اس وقت تک اس تحریک کا مرکز دمشق اور مدینہ کے درمیان ایک قصبہ حمیمہ تھا۔ چونکہ تمام لوگ اسی راستے

سے مدینہ منورہ جاتے تھے اس لیے تحریک کے کارکنوں کو آنے جانے میں کوئی دقت پیش نہ آتی تھی۔

لیکن امام ابراہیم کے قتل کے بعد ابوالعباس نے حمیمہ کی سکونت چھوڑ دی اور اہل و عیال کو لے کر کوفہ میں آگیا۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد اس نے ابو مُسلم خراسانی، ابوسلمہ اور دوسرے حامیوں کی مدد سے عراق پر قبضہ کر لیا۔ اور ربیع الاوّل ۱۳۲ھ میں علانیہ ابوالعباس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں ابوالعباس کے چچا عبداللہ نے بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان کا خاتمہ کر کے مستقل طور پر خلافت بنی عباس کی بنیاد رکھی۔

عوام کا خیال تھا کہ بنی اُمیّہ کے خاتمہ کے بعد عباسی خلافت اہل بیت کے حوالے کر دیں گے لیکن یہ نہ ہُوا۔ ابوالعباس نے کوفہ میں خطبۂ خلافت دیتے وقت لوگوں سے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے زیادہ قرابت رکھتے ہیں۔ بنی فاطمہ کو اہل بیت کہلانے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ وہ حضوؐر کی بیٹی فاطمۃ الزہرؓا کی اولاد ہیں۔ اور نسل بیٹی سے نہیں اولاد نرینہ سے چلتی ہے۔ لیکن حامیان اہلِ بیت کو ان تاویلات سے اتفاق

نہ تھا۔ وہ اسے عبّاسیوں کی غدّاری اور اپنے وعدوں سے انحراف قرار دیتے تھے۔ اب وہ عباسی حکومت کا خاتمہ کرنے کی جدو جہد میں لگ گئے۔

۲۔ اموی خلافت میں عربوں کی حیثیت ایک حکمران طبقے کی تھی اور عجمیوں کے ساتھ محکوموں کا سا سلوک ہوتا تھا۔ اموی خلافت کے اختتام میں عجمیوں کو عرب حکمران طبقے سے نجات دکھائی دیتی تھی۔ اسی لیے انھوں نے عباسی تحریک کا زور شور سے ساتھ دیا۔ نتیجتاً عباسی دور حکومت میں تمام فوجی اور انتظامی امور عجمیوں کے ہاتھ میں آگئے اور عربی اثر و رسوخ ختم ہو گیا۔ عباسیوں نے فوج میں بھی عربوں کی بجائے ترکوں اور عجمیوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا اور آخر یہی پالیسی عباسیوں کی حکومت کے خاتمہ کا باعث بنی۔

عباسیوں نے کم و بیش پانچ سو سال تک حکومت کی۔ مجموعی طور پر اس خاندان کی مرکزی حیثیت قائم رہی۔ تمدنی مذہبی اور سیاسی اعتبار سے اس دور کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے زمانے میں رعایا خوش حال اور فارغ البال تھی۔ علوم و فنون اور تجارت نے بڑی ترقی کی۔ صنعت و حرفت عروج پر تھی۔

ابوالعباس عبداللہ سفاح

۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ مطابق ۷۴۹ء تا ۷۵۳ء

ابتدا میں ابوالعباس نے کوفہ کو اپنا مرکز بنایا۔ لیکن چونکہ کوفہ شیعانِ علی کا مرکز تھا اور اس کے ساتھ ہی ان کی وفاداری بھی مشتبہ تھی۔ کیونکہ وہ اکثر وعدے کر کے مکر جانے کے عادی تھے۔ اس لیے ابوالعباس نے عراق کے ایک قصبے انبار کے قریب ایک نیا دارالحکومت ہاشمیہ کے نام سے آباد کیا۔

ابوالعباس نے عباسی حکومت کو قائم کرنے کے لیے بڑی خونریزی سے کام لیا۔ بنی امیہ کو تو اس نے چن چن کر تہ تیغ کیا۔ یہی نہیں اس نے تو بنی امیہ کی قبریں تک اکھاڑ دیں۔ امیر معاویہ، یزید، عبدالملک اور دوسری اموی خلفا کی قبروں سے صرف ان کی ہڈیاں

نکلیں جنھیں چُور چُور کر کے ہوا میں اُڑا دیا گیا۔ ہشام کی لاش سالم نکلی۔ پہلے اس پر کوڑے مارے گئے اور پھر سولی پر لٹکا دیا گیا اور اس کے بعد آگ میں جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ عراق، خراسان، مکّہ اور مدینہ میں جہاں جہاں اموی تھے ان کو بے دریغ قتل کر دیا گیا۔ ان میں سے صرف ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن جان بچا کر ٹھوکریں کھاتا ہُوا شمالی افریقہ پہنچ گیا اور مدّتوں افریقہ کے ریگستان کی خاک چھاننے کے بعد وہ اندلس جا پہنچا جہاں پر اس نے از سرِ نو اموی حکومت قائم کی۔ ابوالعباس عبداللہ اپنی سفاکی اور خونریزی کی بدولت "سفاح" کے نام سے مشہور ہُوا۔ جس کے لفظی معنی "خونی" کے ہیں۔

سفاح نے صرف امویوں کو ہی اپنے ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ ان لوگوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا جنھوں نے اس کی حکومت قائم کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ جس شخص کے متعلق اُسے ذرا بھی شبہ پیدا ہوتا فوراً اس کی گردن اڑا دیتا۔ اس ظلم و ستم کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی حکومت کو قائم کرنے کے لیے بڑی فیاضی اور دریا دلی سے

روپیہ لٹایا۔ عباسیوں نے اہل بیت کے نام پر اپنی
تحریک کو پروان چڑھایا۔ اور وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ
کسی وقت بھی فتنہ برپا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سفاح نے
بے دریغ روپیہ لٹا کر علویوں کو رام کرنے کی کوشش کی۔
کہتے ہیں کہ عبداللہ بن حسن مثنیٰ جب دوسرے
علویوں کے ساتھ کوفہ میں آئے اور ابوالعباس کو یاد
دلایا کہ خلافت ہمارا حق ہے اور ۱۳۱ھ میں مکہ میں
عباسیوں نے ابو جعفر منصور کے ساتھ میرے بیٹے محمد
کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو ابوالعباس نے فوراً دس لاکھ
درہم قرض لے کر (اس وقت اس کے پاس روپیہ نہ تھا)
عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی خدمت میں پیش کیے۔ اس کے
علاوہ دوسرے علویوں کو بھی مال و دولت دے کر خاموش
کرا دیا۔ اس طرح وہ اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب
ہو گیا۔ ابوالعباس کی وفات کے بعد اگرچہ علویوں نے
شورش برپا کی مگر یہ بعد از وقت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
ناکام ہوئے۔

ابوالعباس نے سب سے پہلے وزارت کا عہدہ قائم
کیا اور یہ منصب اپنے مشہور داعی اور جرنیل ابو سلمہ
خلال کے سپرد کیا۔ مگر جلد ہی سفاح کو یہ پتہ چل گیا

کہ خلال نے مروان ثانی کی موت کے بعد خلافت کو بنی عباس کی بجائے دوبارہ بنی امیہ میں منتقل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اپنی اس کوشش میں اس لیے کامیاب نہ ہو سکا کہ علویوں میں سے کوئی تیار نہ ہوا۔

اگرچہ ابو سلمہ نے اس سے وفاداری کا اظہار کیا تھا لیکن ابوالعباس کے دل سے یہ شبہ دور نہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اسے قتل کرا دیا۔ اس کے بعد وزارت کا عہدہ خالد برمکی کو سونپا گیا جو بڑا دانا اور صاحبِ عقل وفہم تھا۔ ایک عرصے تک برامکہ عباسی عہد میں وزارت کے عہدوں پر فائز رہے۔

ابوالعباس کے ظلم وستم کے باعث بنی امیہ کے حامی امرا نے کئی جگہ بغاوت کر دی اور اکثر صوبوں کے گورنر خود مختار بن بیٹھے۔ چنانچہ ان کے خلاف مہیں روانہ کی گئیں جنھوں نے اپنے زورِ بازو سے انھیں اطاعت پر مجبور کر دیا۔ اہل بیت کے حامیوں نے اکثر مقامات پر شورش بپا کرنے کی کوشش کی مگر ان کو بھی بُری طرح دبا دیا گیا۔

خارجیوں نے جس طرح بنی اُمیہ کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا اسی طرح وہ عباسی حکومت کو بھی ماننے

کو تیار نہ تھے۔ انھوں نے "عمان اور بحرین میں بغاوت کر دی۔ سفاح نے اپنے سردار خازم کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ جس نے کئی خونریز معرکوں کے بعد ان کی طاقت کو منتشر کر دیا۔

اگرچہ ابتدا ہی میں عباسیوں کو اندرونی فتنوں سے واسطہ پڑا تھا اور ان کی زیادہ تر توجہ ان کو دبانے کی طرف رہی تاہم انھوں نے کچھ فتوحات بھی کیں۔ خالد بن ابراہیم اور صالح بن زیاد نے سرحد چین پر ختن۔ چاچ۔ فرغانہ اور کش پر قبضہ کر کے وہاں عباسی جھنڈا لہرایا۔ البتہ رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو زک اٹھانا پڑی۔ رومیوں نے مسلمان شہروں پر قبضہ کر کے ان کی مسلمان آبادی کو تہ تیغ کر دیا۔

وفات و سیرت

ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں سفاح نے وفات پائی۔ موت سے پہلے اس نے اپنے بھائی ابوجعفر منصور اور اپنے بھتیجے عیسٰی بن موسٰی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

سفاح نے اپنی سلطنت کو قائم کرنے کے لیے

اگرچہ بڑی سفاکی سے کام لیا تاہم وہ ایک فیاض اور مدبر حکمران تھا۔ عیش و عشرت سے اسے سخت نفرت تھی، فرض منصبی کو ادا کرنے میں اس نے کبھی کوتاہی نہیں کی، شعر و ادب اور موسیقی سے اسے خاص لگاؤ تھا۔

ابُوجعفر منصُور

۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ مطابق ۷۵۳ء تا ۷۷۴ء

جب ابوالعباس کا انتقال ہُوا ابوجعفر منصور حج کے لیے مکہ گیا ہُوا تھا۔ واپسی پر راستے میں اسے ابوالعباس کی موت کی خبر ملی اور اس نے فوراً دارالحکومت انبار پہنچ کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ابوالعباس نے عباسی حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ منصور نے برسرِ اقتدار آکر اس کو مضبوط و مستحکم کیا۔ اس کی سیاسی دُور اندیشی اور تدبر ہی کا نتیجہ ہے۔ کہ عباسی حکومت سوا پانچ سو سال تک قائم رہی۔

اگرچہ سفاح نے اپنی سلطنت کے قیام کے راستے میں جو کانٹے تھے ان کو ہٹا کر راستہ صاف اور ہموار کر دیا تھا۔ مگر حامیانِ اہلِ بیت کا ایک طبقہ ایسا بھی

تھا جس نے شورشیں بپا کیں ان کے علاوہ عبّاسیوں میں بھی کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے جنھوں نے حکومت کے خلاف فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش کی۔

عبداللہ بن علی کی بغاوت

عبداللہ بن علی ابوجعفر اور ابوالعباس کا چچا تھا۔ سفاح کی وفات کے وقت وہ شام کا گورنر تھا اور رومیوں سے جنگ میں مصروف تھا۔ اس نے شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر کے منصور کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ سفاح نے مجھ کو اپنا جانشین بنانے کا وعدہ کیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے عبداللہ بن علی کی بیعت کر لی۔

منصور نے اس قضیہ کو ختم کرنے کے لیے ابومسلم خراسانی سے امداد طلب کی۔ ابومسلم نے نصیبین کے مقام پر اس کو شکست دی اور وہ بھاگ کر بصرہ میں اپنے بھائی سلیمان بن علی کے پاس چلا گیا۔

منصور نے امان کا وعدہ کر کے عبداللہ بن علی کو اپنے پاس بلا لیا لیکن منصور جانتا تھا کہ عبداللہ کا وجود کسی وقت بھی اس کے لیے مصیبت کا باعث

بن سکتا ہے چنانچہ اس نے اسے ایک ایسے مکان میں قید کر دیا جس کی بنیادوں میں نمک بھرا ہوا تھا چنانچہ پہلی ہی بارش میں مکان نیچے آ رہا اور عبداللہ بن علی اس کے نیچے دب کر مر گیا۔

ابومسلم کا قتل

حکومت بنی عباس کے قیام میں ابومسلم کا سب سے زیادہ ہاتھ تھا اس نے خراسان میں اچھی خاصی طاقت پیدا کر لی تھی۔ سفاح اس کی طاقت ختم کرنا چاہتا تھا لیکن اسے کوئی راہ نہ سوجھتی تھی۔ دوسری طرف ابومسلم بھی سفاح کے ارادوں کو بھانپ گیا تھا اس لیے وہ بھی دور دور ہی رہتا تھا۔ سفاح کسی حیلے سے اس کانٹے کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔

۱۳۶ھ میں جب سفاح کو علم ہوا کہ ابومسلم حج کے ارادے سے مکہ معظمہ جا رہا ہے تو اس نے فوراً ابوجعفر منصور کے حج پر جانے کا اعلان کر دیا۔ اور اس کو امیر حج مقرر کیا۔ اور ابومسلم کو لکھا کہ میں نے منصور کو امیر حج مقرر کیا ہے۔ ابومسلم نے اس

پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اور یہ دونوں اکٹھے حج کو گئے راستے میں ابومُسلم نے اپنی داد و دہش اور فیاضی و فراخدلی کا وہ مظاہرہ کیا کہ ہر زبان پر ابومُسلم کی فیاضی کا قصہ تھا۔

منصور کے برسرِ اقتدار آنے پر اس کے چچا عبداللہ بن علی نے بغاوت کی تو منصور نے ابو مسلم خراسانی کو ہی اس کی سرکوبی کے لیے کہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے سوا اور کوئی اس مہم کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ عبداللہ کی شکست کے بعد بہت سا مال و دولت ابومسلم کے قبضہ میں آیا۔ تو منصور نے اپنا ایک آدمی ابومسلم کے پاس بھیجا کہ مالِ غنیمت دربارِ خلافت میں بھیج دیا جائے۔ اس پر ابومسلم کو بڑا غصہ آیا اور اس طرح دلوں میں کدورتوں کی تہ بیٹھتی گئی۔

منصور ہر ممکن طریق سے ابومسلم کا قصہ پاک کرنا چاہتا تھا لیکن علانیہ اس کی مخالفت کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ دوسری طرف ابو مسلم خود کو عباسی حکومت کا بانی خیال کرتا تھا۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ اس کی امداد کے بغیر عباسی حکومت قائم نہیں

رہ سکتی۔

شام کی فتح کے بعد منصور نے سوچا کہ ابو مسلم کو واپس خراسان نہ جانے دیا جائے۔ چنانچہ یہیں اس کے پاس شام اور مصر کی گورنری کا حکم بھیج دیا گیا۔ ابو مسلم اس پر اور بگڑ گیا اور کہا کہ میں شام و مصر کی گورنری پسند نہیں کرتا اور میں واپس خراسان جا رہا ہوں۔

منصور نے جب ابو مسلم کے بگڑے ہوئے تیور دیکھے تو اس کو لکھا کہ ہم میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اس لیے مناسب یہی ہے کہ تم دارالحکومت آؤ تاکہ ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ لیکن ابو مسلم نے دارالحکومت آنے سے صاف انکار کر دیا۔

ابو مسلم کے اس جواب نے منصور کو اور بھی زیادہ پریشان اور خوفزدہ کر دیا۔ اب منصور نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح بہلا پھسلا کر ابو مسلم کو دارالحکومت میں بلائے اس کے لیے بعض ہوشیار آدمیوں کو اس کے پاس بھیجا، جنھوں نے حیلوں بہانوں سے اسے انبار جانے پر رضا مند کر لیا۔ ابو مسلم نے احتیاطاً اپنے معتمد وزیر ابو اسحٰق کو دربارِ خلافت میں بھیجا۔ جہاں اس کی بڑی

عزت وتکریم کی گئی اور منصور نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر ابو مسلم یہاں آجائے تو خراسان کی گورنری تم کو دے دی جائے گی۔ ابو اسحٰق اس پر تیار ہوگیا۔ وہ لوٹ کر ابو مسلم کے پاس آیا اور ابو مسلم کو انبار جانے پر راضی کر لیا۔

منصور نے ابو مسلم کا پُر تپاک خیر مقدم کیا اور بڑے احترام اور عزت کے ساتھ دربار سے رخصت کیا۔ اگلے دن منصور نے چند جان نثاروں کو پردے کے پیچھے چھپا دیا اور حکم دیا کہ جب میں تالی بجاؤں تو ابو مسلم کی تکّا بوٹی کر دینا۔

اگلے روز جب ابو مسلم دربار میں آیا تو منصور نے اس سے ان دو تلواروں کے متعلق دریافت کیا جو اس نے عبداللہ بن علی سے حاصل کی تھیں۔ ابو مسلم نے کہا کہ ایک تو یہ ہے جو میں باندھے ہوئے ہوں۔ منصور نے تلوار دیکھنے کی خواہش کی۔ ابو مسلم نے تلوار نکال کر منصور کے ہاتھ میں دے دی جسے دیکھتے دیکھتے اس نے اپنے زانو کے نیچے دبا لیا۔ اب اس کے رویّے میں یکسر تبدیلی آگئی۔ پہلے تو ابو مسلم نے خوشامد سے کام لیا مگر جب دیکھا کہ منصور کا غصّہ بڑھ رہا ہے تو اس نے

بھی سخت سست جواب دیے۔ اس اثنا میں منصور نے تالی بجائی اور مسلح سپاہیوں نے پے در پے تلواروں کے وار سے اسے وہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ابو مسلم کے قتل سے دارالحکومت میں جو خراسانی موجود تھے انھوں نے مشتعل ہو کر بادشاہ کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ مگر منصور نے ان کو انعام و اکرام دے کر خاموش کر دیا۔

سنباد

ابو مسلم کے قتل کی خبر جب خراسان میں پہنچی تو ایک کہرام مچ گیا۔ ابو مسلم کی جماعت کے ایک آدمی سنباد نے ابو مسلم کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ایک فوج جمع کر لی۔ منصور نے جمہور بن مرار عجلی کو ایک فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا جس نے جلد ہی حالات پر قابو پا لیا اور سنباد قتل ہوا۔ طبرستان اور دیلم کے لوگوں نے کچھ سرکشی کی مگر اس فتنہ کو بھی جلد ہی ختم کر دیا گیا۔

راوندیہ

۱۴۱ھ میں ایک خراسانی فرقہ پیدا ہوا جس کا عقیدہ

یہ تھا کہ خدا نے منصور میں حلول کیا ہے۔ وہ لوگ منصور کے درشن کو اپنی عبادت خیال کرتے تھے۔ نیز آدم کی رُوح عثمان بن نہیک میں، جبرائیل کی رُوح ہیثم بن معاویہ میں حلول کر گئی ہے۔

منصور نے اس فرقہ کے دو سو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان کے ساتھیوں نے قید خانہ پر حملہ کر کے قیدیوں کو چھڑا لیا اور پھر خلیفہ کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت دارالخلافہ میں کوئی ایسی جمعیت نہ تھی جو ان بلوائیوں کا مقابلہ کر سکتی۔ اس موقع پر معن بن زید نے بڑی جرأت اور بہادری سے کام لے کر بلوائیوں کو مار بھگایا۔

بغداد کی تعمیر

ایک گاؤں کا نام ہے

راوندیہ کی بغاوت سے منصور کا دل ہاشمیہ سے اُچاٹ ہو گیا اور اس نے نیا دارالخلافہ بنانے کا فیصلہ کیا اور ۱۴۵ھ میں بغداد کی تعمیر شروع کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں ایک باغ تھا جس میں بیٹھ کر نوشیرواں انصاف کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کا نام "باغ داد" پڑ گیا اور بعد میں بغداد بن گیا۔ اس شہر کی تعمیر پر دو کروڑ دینار خرچ ہوئے۔ شہر کے وسط میں شاہی محل اور اس

کے ساتھ ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ یہ شہر دائرے کی صورت میں تھا۔

نفسِ زکیہ کی بغاوت

منصور کے عہد میں فرقہ امامیہ کے چھٹے امام حضرت جعفر صادق تھے اور زیدیہ کی امامت محمد بن عبداللہ کے ہاتھ میں تھی جو اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر نفس زکیہ کے لقب سے مشہور تھے اکثر لوگ ان کو مہدیٔ وقت بھی مانتے تھے۔

امام جعفر صادق نے کبھی خلافت کی خواہش نہیں کی بلکہ اپنے پیرؤوں سے ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہرگز کوئی شورش برپا نہ کرنا۔ اس کے برعکس نفسِ زکیہ نے خفیہ خفیہ اہلِ حجاز سے بیعت لینی شروع کر دی تھی۔

مروان ثانی کے عہد میں ہی بنی ہاشم کے بیشتر رئیسوں اور خود ابوالعباس سفاح اور ابو جعفر منصور نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں مہدی تسلیم کر لیا تھا لیکن جب سفاح نے تخت خلافت پر قبضہ کر لیا تو نفسِ زکیہ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔

مگر سفاح نے حیلے بہانے سے انھیں راضی کر لیا۔ نفس زکیہ کے دوسرے بھائی ابراہیم بن عبداللہ تھے جن کی عوام میں بڑی قدر و منزلت تھی اور خراسان کی ایک جماعت ان کو امام مانتی تھی۔

جب منصور تخت نشین ہوا تو نفس زکیہ نے پھر اپنی خلافت کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ منصور کو پتہ چلا تو اس نے نفس زکیہ کو قابو میں لانے کی کوششیں تیز تر کر دیں۔ یہ دونوں بھائی کسی ایک مقام پر قیام نہیں کرتے تھے اس لیے ان کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے منصور نے مدینہ کے کئی حاکم تبدیل کیے۔ لیکن یہ سب ہزار کوشش کے باوجود ان دونوں بھائیوں کا پتہ لگانے میں ناکام رہے۔ آخر رباح حاکم مدینہ نے ان کے تیرہ رشتہ داروں کو گرفتار کر کے منصور کے پاس بھیج دیا۔ منصور نے ان پر بڑے بڑے مظالم توڑے۔ ان میں کئی ایک ان سختیوں کو برداشت کرتے ہوئے جاں بحق ہو گئے۔ منصور نے نفس زکیہ کے بوڑھے باپ عبداللہ کو بھی گرفتار کر لیا اور اس کے ساتھ ہی حضرت عثمان کے پوتے محمد العثمانی کو جن کی بیٹی کی شادی محمد مہدی (نفس زکیہ) سے ہوئی تھی

اتنا پیٹا کہ وہ ہلاک ہو گئے۔

محمد مہدی (نفسِ زکیہ) کو جب ان مظالم کا علم ہوا تو ان کا خون کھولنے لگا اور انھوں نے ظاہر ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے اپنے بھائی ابراہیم کو کہلا بھیجا کہ فلاں دن جب میں مدینہ میں علمِ بغاوت بلند کروں تم بصرے میں کھڑے ہو جانا۔ ادھر رجب ۱۴۵ھ میں محمد مہدی تو اپنے اڑھائی سو جاں نثاروں کو لے کر مدینہ میں داخل ہو گئے مگر امام ابراہیم اپنی علالت کے باعث اس پروگرام پر عمل درآمد نہ کر سکے۔ مدینہ کے عوام نے محمد مہدی کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور وہاں کے حاکم رباح بن عثمان کو گرفتار کر کے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ ایسے علما نے آپ کا ساتھ دیا۔

منصور کو جب خبر ہوئی تو اس نے عیسیٰ کو ایک زبردست لشکر دے کر مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ محمد مہدی کے پاس بہت کم فوج تھی۔ انھوں نے یہ دیکھ کر اعلان کر دیا کہ جو شخص نہ لڑنا چاہے وہ واپس جا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امام محمد مہدی کے ساتھ

صرف تین سو سوار رہ گئے جو ٹڈی دَل فوج کا بڑی بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ صرف امام محمد نے ایک سو سواروں کو تہ تیغ کیا۔

جب امام ابراہیم کو بھائی کی شہادت کی خبر ملی تو انھوں نے بھی اعلان جنگ کر دیا۔ پہلے پہل تو ان کو کچھ کامیابیاں ہوئیں۔ آخر عیلٰے ایک بڑی فوج لے کر ان کے مقابلہ پر آیا۔ دریائے فرات کے کنارے دونوں میں خونریز جنگ ہوئی جس میں ابراہیم شہید ہو گئے۔ منصور نے ان کا سر کاٹ کر قید خانے میں ان کے باپ کے پاس بھجوا دیا۔

اس فتح کے بعد بنو حسن اور بنو حسین کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ مدینہ سے تمام امانتیں واپس لے لی گئیں۔ مصر سے غلہ کی درآمد روک دی گئی۔ بصرے کے شرفا کو جنھوں نے امام ابراہیم کا ساتھ دیا تھا سخت سزائیں دی گئیں۔ ان کے مکانات مسمار کر دیے گئے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو قید خانے میں ڈال دیا گیا اور وہیں ۱۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ کہتے ہیں اس وقت بغداد کی تعمیر ہو رہی تھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کو بطورِ مشقت اینٹیں گننے کا کام سونپا

گیا۔ اور امام مالک کو کوڑوں سے پٹوایا گیا۔

(سندھ) اور خراسان کی شورش

خراسان کے والی عبدالجبار بن عبدالرحمٰن نے خلیفہ کے مقرر کردہ کچھ حاکموں کو قتل کرا دیا۔ منصور کو عبدالجبار کی اس حرکت پر غصہ تو بہت آیا مگر حالات کچھ ایسے تھے کہ کچھ کر نہ سکتا تھا۔ اس نے عبدالجبار کو لکھا خراسان کا ایک بڑا لشکر جہاد کے لیے روم بھیج دو۔ عبدالجبار نے جواب دیا کہ چونکہ ترکوں کے حملے کا اندیشہ ہے اس لیے جہاد کے لیے فوج کو روم بھیجنا مشکل ہے۔ منصور نے جواباً لکھا کہ مجھے خراسان بہت عزیز ہے۔ میں تمہاری مدد کے لیے ایک لشکر بھیج رہا ہوں تاکہ ترکوں کا قلع قمع کیا جا سکے۔ عبدالجبار نے اس لشکرِ عظیم کے آنے کی مخالفت کی۔ لیکن منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو ایک زبردست لشکر دے کر خراسان کی طرف بھیج دیا۔ عبدالجبار مقابلہ کو تیار ہو گیا مگر شکست کھائی اور گرفتار کر کے منصور کے پاس بھیج دیا گیا جس نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کرنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے مہدی کو خراسان کا والی

مقرر کیا۔ سندھ میں موسیٰ بن کعب کے بیٹے عیینہ نے علم بغاوت بلند کیا۔ آخر عمر بن حفص نے عیینہ کو شکست دے کر سندھ کو عباسی سلطنت میں شامل کیا۔

خارجی

۱۴۸ھ میں حسّان بن مجالد خارجی نے موصل میں علم بغاوت بلند کیا۔ اس وقت موصل اور بحرین خارجیوں کے مرکز تھے۔ ان کے مقابلے کے لیے شاہی فوج بھیجی گئی مگر اس نے پے در پے شکستیں کھائیں اور حسّان نے موصل پر قبضہ کر لیا۔ آخر امام ابوحنیفہؒ نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی اور یہ قضیہ ختم ہو گیا۔

افریقہ میں بغاوت

شمالی افریقہ کے بیشتر بربری خارجی عقائد رکھتے تھے۔ انھوں نے بغاوت کر کے عباسی حاکم ابن اشعث کو بھگا دیا اور اس کی بجائے موسیٰ خراسانی کو اپنا حاکم مقرر کر لیا۔ اس پر منصور نے اپنے نامور جرنیل اغلب کو افریقہ کا امیر بنا کر بھیجا۔ مگر اس کی کوئی پیش نہ گئی اور آخر قیروان کی جنگ میں مارا گیا۔

اب ابن حفص شمالی افریقہ کا گورنر بن کر آیا۔ ابتدا میں اسے کچھ کامیابیاں ہوئیں۔ لیکن یہ بھی بربریوں کے ہاتھوں مارا گیا اور قیروان پر خارجیوں کا قبضہ ہو گیا۔

آخر منصور نے یزید بن حاتم کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ افریقہ بھیجا جس نے کئی معرکوں کے بعد اس علاقے میں امن و امان بحال کیا۔

رومیوں کا حملہ

قیصر روم کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ جاری تھا۔ ۱۳۸ھ میں رومیوں نے حملہ کر کے بلیطہ کی اسلامی چھاؤنی کو تباہ و برباد کر دیا۔ منصور نے اپنے چچا صالح اور اپنے بھائی عباس کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ جنھوں نے رومیوں کو شکست دے کر بلیطہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

کہتے ہیں کہ صالح کی دو بہنوں اُمّ عیسیٰ اور لبانہ نے منت مانی تھی کہ اگر بنو امیّہ کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے تو ہم راہِ خدا میں جہاد کریں گی۔ چنانچہ اس لڑائی میں شریک ہو کر انھوں نے بھی اپنی منت

پوری کی۔

ہسپانیہ میں اموی حکومت کا قیام

جب عباسی امویوں کا قتل عام کر رہے تھے۔ تو ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن جان بچا کر افریقہ چلا گیا اور کئی سال دشت نوردی کے بعد اندلس کے ساحل پر جا اترا۔ لوگوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کی ماں ایک بربری قبیلے سے تھی۔ اندلس کے مسلمان بنی امیّہ کے حامی اور مددگار تھے لہٰذا جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور اس نے اندلس کے حاکم یوسف کو شکست دے کر ہسپانیہ کے دارالحکومت قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ منصور نے شمالی افریقہ کے حاکم کو لکھا کہ وہ حملہ کر کے اندلس سے اموی حکومت کا خاتمہ کر دے مگر عبدالرحمٰن نے اسے شکست دی اور اس کا سر کاٹ کر منصور کے دربار میں بھجوا دیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے اندلس میں بنو اُمیّہ کی مستقل حکومت کی بنیاد رکھی۔ جو صدیوں تک قائم رہی۔

ولی عہدی

ابوالعباس سفاح نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بعد ابو جعفر منصور کو اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ ایک مدت تک تو منصور نے اس وصیت کا احترام کیا اور عیسیٰ کو اپنے ساتھ داہنے ہاتھ تخت پر بٹھاتا رہا۔ عیسیٰ نے خلافت عباسیہ کو قائم کرنے کے لیے بڑے بڑے معرکے بھی سر کیے تھے۔ لیکن جب ملک میں امن و امان قائم ہو گیا تو منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو اپنا جانشین بنانے کے ارادے کا اظہار کیا۔ مگر جب اس نے عیسیٰ سے اپنے خیال کو ظاہر کیا تو اس نے مہدی کی ولی عہدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ منصور نے اس کو گورنری سے معزول کر کے ۱۴۷ھ میں مہدی کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔

وفات اور سیرت

۱۵۸ھ میں منصور حج کے ارادے سے روانہ ہوا مگر راستے میں ہی اس کا انتقال ہو گیا اور خفیہ طور پر دفن

کردیا گیا کیونکہ اندیشہ تھا کہ کوئی دل جلا اس کی لاش کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو بنی عباس امویوں کی لاشوں سے کر چکے تھے۔

منصور بڑا عالی ہمت، بیدار مغز اور مدبر حکمران تھا۔ اس نے اپنی دن رات کی کوشش سے اپنے جانشینوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ صدیوں تک حکومت کرتے رہے (منصور ایک عالم۔ فقیہ اور محدث تھا)

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس سے کسی نے پوچھا کہ دنیا میں تمہاری کوئی ایسی خواہش ہے جو پوری نہ ہوئی ہو تو اس نے جواب دیا کہ صرف ایک خواہش ہے اور وہ یہ کہ ایک چبوترے پر میں بیٹھا ہوا ہوں اور اصحاب حدیث میرے اردگرد جمع ہوں (منصور نے ہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو "مؤطا" کی تالیف پر آمادہ کیا اسی کے زمانے میں سریانی اور عجمی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں ہونے لگے۔ چنانچہ اقلیدس اور کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ اسی کے عہد میں ہوا)

منصور بڑا مستقل مزاج اور ثابت قدم تھا۔ بڑے بڑے خطرات میں بھی اس کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ سلطنت کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ صبح

سے سہ پہر تک امور مملکت کو انجام دیتا۔ عصر کے بعد اپنے اہل و عیال میں جاتا اور نماز عشا کے بعد مملکت کے والیوں اور عاملوں کے خطوط کا جواب دیتا۔ علی الصبح مسجد میں نماز فجر پڑھاتا اور اس کے فوراً بعد دربار خلافت میں جا کر سلطنت کے کاموں میں مصروف ہو جاتا۔

بڑا جزرس تھا بلکہ اس کی جزرسی بخل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ بیت المال کے حساب کتاب پر کڑی نگرانی رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس کا انتقال ہوا تو خزانہ بھرا ہوا تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے مہدی سے کہا تھا کہ میں تیرے لیے اتنی دولت چھوڑ کے جا رہا ہوں کہ اگر دس سال تک خراج وصول نہ ہو تو تو اطمینان سے حکومت کے کاروبار کو چلا سکتا ہے۔

(علاوہ بریں وہ اعلیٰ درجہ کا خطیب اور ادیب بھی تھا۔ اس کی تقریر اور تحریر خاصی زور دار ہوتی تھی۔)

انتظام سلطنت

اگرچہ ملک مختلف صوبوں میں منقسم تھا۔ مگر ان میں

آئے دن تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔ صوبوں پر اکثر خلیفہ کے عزیز و اقارب ہی متعین کیے جاتے تھے۔ لیکن کسی پر بھروسہ نہ کرتا تھا۔ اس لیے آئے دن ان کی تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ہر والی اپنا عملہ خود مقرر کرتا تھا۔ صرف قاضی اور سپہ سالار کا تقرر براہ راست خلیفہ کے حکم سے ہوتا تھا۔ منصور نے وزارت کا محکمہ قائم کیا۔ نیز حاجب کا تقرر بھی اسی کے عہد میں ہُوا۔ وزارت کے بعد دوسرا درجہ حاجب کا تھا۔ اس کے ساتھ اس نے محکمہ کتابت قائم کیا۔ جس کا حاکم اعلیٰ میر منشی کہلاتا تھا جس کا کام گورنروں اور عاملوں کے نام احکام جاری کرنا ہوتا تھا۔

عباسیوں نے چونکہ خراسانیوں کی مدد سے حکومت حاصل کی تھی اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ خراسانیوں کو عربوں پر فوقیت حاصل ہونے لگی اور عربوں کا اثر کم ہونے لگا۔

منصور کے عہد میں تجارت اور صنعت و حرفت کو بڑی ترقی ملی۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ رعایا خوش حال اور فارغ البال تھی۔ اشیائے ضرورت بے حد ارزاں تھیں۔

مہدی بن منصور

۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ مطابق ۷۷۴ء تا ۷۸۵ء

منصور کی وفات کے بعد ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں مہدی تخت نشین ہوا۔ اگرچہ ۱۳۶ھ میں سفاح نے منصور کے بعد عیسٰی بن موسٰی کو ولی عہد مقرر کیا تھا مگر منصور نے اس کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے بیٹے مہدی کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ مہدی باپ کی زندگی میں کئی معرکوں میں بطور سپہ سالار شریک ہو چکا تھا اور رے کا عامل بھی رہ چکا تھا۔

منصور نے اپنے زمانۂ حکومت میں اپنے تمام مخالفوں کا قلع قمع کر دیا تھا۔ بنی امیہ کو نیست و نابود کر دیا گیا تھا۔ اہل بیت کی کمر ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ ان کے بڑے بڑے سربراہ یا تو مارے جا چکے تھے یا

گرفتار ہو کر قید خانوں میں زندگی بسر کر رہے۔ جو آزاد تھے ان کی باقاعدہ نگرانی کی جاتی تھی۔ مہدی نے تخت نشین ہوتے ہی سب قیدیوں کو رہا کر دیا ان کی ضبط شدہ جائدادیں واپس کر دیں اور تمام پابندیاں ختم کر دیں۔ جس کا لوگوں پر بڑا اچھا اثر ہوا۔ اس نے حسن بن ابراہیم کو اپنا دینی بھائی اور یعقوب بن داؤد کو اپنا وزیر بنا کر علویوں کے جوشِ مخالفت کو کم کر دیا۔"

حکیم مقنع

پہلے ذکر آچکا ہے کہ خراسان میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جس کے عقائد اسلام سے بالکل مختلف تھے۔ ایک شخص حاکم بن حکیم جو مرو کا رہنے والا تھا اور ابو مسلم کے دربار میں کاتب رہ چکا تھا۔ چونکہ اس کی شکل نہایت بری اور بھونڈی تھی اس لیے اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتا تھا۔ اسی بنا پر وہ "مقنع" کے نام سے مشہور ہے۔

اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے جسم میں حلول کیا پھر نوح علیہ السلام اور اس طرح دوسرے

نبیوں میں حلول کرتا ہُوا ابُو مُسلم تک پہنچا اور اب خدا نے مجھ میں حلول کیا ہے۔ یہ عقیدہ وہی تھا جو فرقہ راوندیہ کا تھا جس کا ذکر منصور کے باب میں آ چکا ہے۔

اس شخص کو شعبدہ بازی اور جادوگری میں بھی کمال حاصل تھا چنانچہ اس نے ماوراالنہر کے قریب نخشب کے کنوئیں سے ایک مصنوعی چاند نکالا جس کی روشنی پندرہ میل تک جاتی تھی۔

اس قسم کی شعبدہ بازیوں کا یہ نتیجہ ہُوا کہ بہت سے لوگ اس کے پیروکار ہو گئے اور اسے خدا سمجھ کر اس کی پوجا کرنے لگے۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنی ایک اچھی خاصی جمعیت پیدا کر لی اور پھر چند قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

مہدی مذہب کے معاملہ میں بڑا متشدد تھا۔ جب اسے حکیم مقنع کا حال معلوم ہُوا تو اس نے اپنے مشہور جرنیل ابوعون کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا مگر اس کو کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ آخر میسب بن زہیر کو ان کی بیخ کنی کے لیے بھیجا گیا۔

میسب نے ابن مقنع کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ

اس قدر سخت تھا کہ محصورین پریشان ہو گئے اور ان میں سے بیشتر نے مسلمان جرنیل سے پناہ طلب کی۔ جو انھیں مل گئی۔ اب تیئیس ہزار کی فوج میں سے صرف دو ہزار آدمی مقنع کے ساتھ رہ گئے۔ مقنع نے جب دیکھا کہ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تو اس نے ایک بہت بڑا الاؤ جلایا جس میں پہلے تو اپنے بال بچوں کو پھینکا اور پھر خود اس میں جل کر مر گیا۔

جنگیں

خراسان میں ایک سردار یوسف بن ابراہیم نے ایک جمعیت اکٹھی کر کے علم بغاوت بلند کیا مگر جلد ہی اس پر قابو پا لیا گیا۔ جزیرہ کے ایک رئیس عبدالسلام نے اتنی طاقت حاصل کر لی تھی کہ شاہی فوجیں اس کے مقابلے میں عاجز آ گئی تھیں آخر شبیب نے ایک زبردست لڑائی کے بعد اس کا خاتمہ کیا۔

۱۶۳ھ میں اس نے رومیوں کے خلاف ایک زبردست مہم روانہ کی جس کی کمان اس کے اپنے ہاتھ میں تھی۔

۱۶۵ھ میں اس کے بیٹے ہارون نے ایک لاکھ فوج

کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ رومیوں نے جب اپنے اندر مقابلے کی طاقت نہ دیکھی تو نوے ہزار دینار سالانہ خراج کے وعدے پر صلح کر لی لیکن اگلے سال جب رومیوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور اپنے وعدے سے پھر گئے تو سلیمان بن علی والئ جزیرہ نے ان کو زبردست شکست دی۔ اور کثیر مقدار میں مالِ غنیمت لے کر لوٹا۔ (سندھ) کے علاقہ میں بھی کچھ فتوحات ہوئیں۔

وزارت

مہدی نے مسند نشین ہو کر ابو عبیداللہ معاویہ کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ یہ شخص زمانۂ ولی عہدی میں اس کا میر منشی رہا تھا۔ (اور بڑا عالم، فاضل اور انشا پرداز تھا۔ اس نے نظامِ حکومت میں بہت مفید اصلاحات کیں۔ قانون خراج پر ایک کتاب لکھی جو اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی)

لیکن ان خوبیوں کے ساتھ ابو عبیداللہ بڑا خود پسند اور متکبر بھی تھا۔ یہاں تک کہ اپنے پرانے دوستوں کے ساتھ بھی اس کا رویّہ بڑا متکبرانہ ہوتا تھا۔

ربیع بن حاجب اس کا دوست تھا اور کسی وقت اس نے ابو عبیداللہ پر بڑے احسانات کیے تھے۔ جب ابو عبیداللہ ایک موقع پر اس سے بھی بد خلقی اور کج روی کے ساتھ پیش آیا تو اس نے اس سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔

مہدی بے مذہبوں اور لا دینوں کا بدترین دشمن تھا وہ ہر گناہ گار کو معاف کر سکتا تھا مگر بے دین اور ملحد کو قطعًا معاف نہ کرتا تھا۔ ربیع کو معلوم ہوا کہ ابو عبیداللہ کا بیٹا محمد ملحدانہ خیال رکھتا ہے۔ تو اس نے خلیفہ سے اس کی شکایت کی۔ مہدی نے محمد کو دربار میں بلا کر قرآن پڑھنے کو کہا۔ اس نے غلط قرآن پڑھا تو مہدی نے ابو عبیداللہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو قتل کرے۔ باپ جب اٹھا تو فرطِ غم سے زمین پر گر پڑا۔ چنانچہ کسی اور نے اس کو قتل کیا۔

اس کے بعد سے خلیفہ کے دل میں ابو عبیداللہ کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ ۱۶۱ھ میں اسے معزول کر کے یعقوب بن داؤد کو اپنا وزیر بنا لیا۔ یعقوب اور اس کا بھائی علی نفسِ زکیہ کے بھائی

ابراہیم کے حامی اور مددگار تھے۔ ابراہیم کے خاتمہ پر دونوں بھائی گرفتار کر لیے گئے تھے جنھیں بعد میں مہدی نے رہا کر دیا تھا۔

(اس کی قابلیت کو دیکھ کر مہدی نے اس کو اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ یہ علویوں کا حامی تھا۔ اس نے برسر اقتدار آکر اکثر اہم عہدوں پر علویوں کو مقرر کر دیا۔ تاہم علوی اس سے خوش نہ تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ سب کچھ ہمیں تابع رکھنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف مخالفوں نے مہدی کو بھڑکایا کہ یہ علویوں کو پھر برسر اقتدار لانا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مہدی کے دل میں یعقوب کے خلاف بدگمانی پیدا ہو گئی)

(مہدی نے ایک علوی کو پکڑ کر یعقوب سے کہا کہ اس کی گردن اڑا دے۔ یعقوب جب اسے قتل کرنے لگا تو اس نے اہل بیت کا واسطہ دے کر جان بخشی چاہی یعقوب نے اسے چھوڑ دیا اور مہدی سے کہہ دیا۔ کہ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے۔ لیکن وہی علوی اگلے روز گرفتار ہو کر مہدی کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس پر مہدی بہت برافروختہ ہوا۔ اس نے یعقوب کا تمام

مال و اسباب ضبط کر کے اسے قید میں ڈال دیا۔ اور اس کے مقرر کیے ہوئے تمام گورنروں اور حاکموں کو معزول کر دیا۔ اس کے بعد قلمدان وزارت فیض ابنِ ابی صالح کے سپرد ہوا۔ مہدی کی وفات تک یہ اس عہدے پر فائز رہا۔

وفات اور سیرت

محرم ۱۶۹ھ میں مہدی نے وفات پائی۔ اس سے پہلے اس نے اپنے بیٹوں ہادی اور ہارون الرشید کو علی الترتیب اپنا جانشین مقرر کیا۔

مہدی اپنے باپ منصور کے برعکس بڑا نرم مزاج حلیم الطبع اور در گزر کرنے والا تھا۔ کئی بڑے بڑے سیاسی مجرموں کو اس نے محض فہمائش کر کے چھوڑ دیا۔ کاروبار سلطنت بڑی تندہی اور جانفشانی سے ادا کرتا تھا اس کے دل میں مذہب کی بڑی قدر تھی۔ خلاف شرع حرکت کو وہ ہرگز برداشت نہ کرتا تھا۔ ملحدوں کا تو وہ جانی دشمن تھا۔ عدل و انصاف اور مساوات کے لحاظ سے خاص طور پر مشہور ہوا۔ قاضیوں کی عدالتوں میں عام لوگوں کی طرح حاضر ہوتا اور ان کے فیصلوں کا احترام کرتا تھا۔

مساجد میں اماموں نے بڑے بڑے بلند منبر بنا لیے تھے مہدی نے ان سب کو توڑ کر ان کی بلندی کو اس حد تک رکھا جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا منبر تھا۔ بڑا فیاض تھا۔ باپ اس کے لیے بے اندازہ دولت چھوڑ مرا تھا۔ مگر چند ہی سالوں میں خزانہ خالی ہو گیا۔

اصلاحات اور رفاہی کام

مہدی کا زمانہ امن و خوش حالی اور فارغ البالی کا دور تھا۔ اس نے عوام کی بہتری اور بہبود کے لیے بڑے بڑے اچھے کام کیے۔ اس نے ہر محکمے کے لیے ایک الگ نگران مقرر کیا۔ مکہ، مدینہ، یمن اور بغداد کے درمیان ڈاک کا سلسلہ جاری کیا۔ محتاجوں، غریبوں اور معذوروں کے وظیفے مقرر کیے۔ قیدیوں کے اہل و عیال کو شاہی خزانے سے گزر اوقات کے لیے امداد ملتی تھی۔

مہدی عمارتیں بنانے کا بھی بڑا شوقین تھا اس نے دجلہ کے کنارے ایک محل تعمیر کرایا۔ بصرہ کی جامع مسجد کو وسعت دی۔ عیسیٰ آباد میں ایک ٹکسال قائم کی۔ ردمی

سرحدوں پر مضبوط قلعے بنوائے۔ اور مسجد الحرام کو وسیع کیا کعبہ پر ایک نیا بیش قیمت غلاف چڑھایا۔ مکّہ کے راستے میں مکانات بنوائے۔ ہر مکان میں حوض اور کنوئیں بھی بنوائے۔ انصار کے پانچ سو خاندانوں کو اپنے ہمراہ لا کر عراق میں آباد کیا۔ ان کو جاگیریں دیں اور وظیفے مقرر کیے۔ سب سے پہلے مہدی نے بصرے کی ایک مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے یہ آیت پڑھی ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی الخ اس کے بعد سے یہ خطبوں کا ایک حصّہ بن گئی۔

ہادی بن مہدی

۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۵ء تا ۷۸۶ء

مہدی کے بعد ہادی تخت خلافت پر بیٹھا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح لامذہبوں کا سخت دشمن تھا۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دربان کو ہٹا دیا۔ تاکہ ہر فریادی بلا روک ٹوک اس کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی مشکلات بیان کر سکے۔

حسین ابنِ علی کی بغاوت

ہادی کے زمانے میں اہل بیت میں سے حسین ابن علی نے علمِ بغاوت بلند کر کے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے مدینہ کے والی عمر بن عبدالعزیز بن عبیداللہ کو شکست دے کر خزانہ پر قبضہ کر لیا اور اہل

مدینہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کر دی۔ اس اثنا میں عراق کے کچھ لوگ بھی ان کی مدد کو پہنچ گئے۔ حسین نے اعلان کر دیا کہ جو غلام ہمارے ساتھ مل جائیں گے ان کو آزاد کر دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے غلام ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

اکیس روز مدینہ پر قبضہ کرنے کے بعد مکہ کی طرف کوچ کیا۔ ہادی نے محمد بن سلیمان کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ مکہ میں اس نے ان عباسیوں کو بھی جمع کر لیا جو وہاں موجود تھے یا حج کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ اس طرح اس کے پاس خاصی جمعیت ہو گئی۔ دونوں فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی جس میں حسین ابن علی کو شکست ہوئی اور اس کا سر کاٹ کر محمد بن سلیمان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے بعد محمد بن سلیمان نے امن کا اعلان کر دیا۔

اس لڑائی میں ادریس بن عبداللہ جو محمد مہدی (نفس زکیہ) کا بھائی تھا بچ کر نکل گیا اور شمالی افریقہ میں جا پہنچا۔ جہاں اس نے کچھ مدت بعد اپنی سلطنت قائم کی۔ اس کا دوسرا بھائی بھاگ کر دیلم جا پہنچا۔

ہادی نے تخت نشین ہوتے ہی یہ کوشش شروع کر دی تھی کہ ہارون الرشید کو ہٹا کر اپنے بیٹے جعفر کو اپنا ولی عہد بنائے۔ یحییٰ بن خالد برمکی نے جو ہارون الرشید کا اُستاد تھا ہادی کو اس ارادے سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور کہا کہ جعفر ابھی بچہ ہے۔ آپ فوت ہو جائیں تو کوئی اس کی حکومت کو تسلیم نہ کرے گا۔ مناسب یہ ہے کہ ہارون کے بعد جعفر کو ولی عہد نامزد کیا جائے لیکن امرائے دربار بار بار ہادی کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے۔ یہ حالات دیکھ کر ہارون یحییٰ کے مشورے سے شکار کے بہانے قصرِ مقاتل کی طرف چلا گیا تاکہ ہادی سے دُور دُور رہے۔

انہی ایام میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ہادی نے اپنی ماں خیزران کو جو امورِ سلطنت میں بہت دخیل تھی کاروبارِ حکومت میں دخل دینے سے منع کر دیا۔ ماں بیٹے کی اس کشیدگی نے ایک ایسی صورت اختیار کر لی کہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خیزران ہارون کی طرف دار ہو گئی اور ہادی ہارون الرشید کا دشمن بن گیا۔

ہادی نے ہارون کو بلایا تو اس نے آنے سے انکار کر دیا۔ ہادی خود موصل کی طرف روانہ ہُوا۔ ہارون بھی اس کے پاس آگیا۔ اس اثنا میں وہ بیمار ہُوا اور تین دن بیمار رہ کر ۱۴ ربیع الاوّل ۱۷۰ھ کو فوت ہو گیا۔

ہادی سخی، خوش مزاج اور کسی حد تک ظلم پسند تھا حکومت کے کاموں میں دلچسپی لیتا تھا۔ تنو مند اور سپاہی منش تھا۔ اس نے صرف سوا سال تک حکومت کی۔

ہارون الرشید

۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ مطابق ۷۸۶ء تا ۸۰۹ء

ہارون الرشید ۱۴ ربیع الاوّل ۱۷۰ھ کو ہادی کے مرنے کے بعد تخت نشین ہوا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اسی شب اس کے ہاں مامون الرشید پیدا ہوا جو ہارون الرشید کا بہترین جانشین ثابت ہوا۔

ہارون نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے اتالیق یحیٰی بن خالد برمکی کو وزیر اعظم کا عہدہ سونپ کر خلافت کی مُہر بھی اس کے سپرد کر دی۔ ہارون کی ماں خیزران جو ہادی کے زمانے میں عُضوِ معطّل ہو کر رہ گئی تھی از سرِ نو امورِ سلطنت میں دلچسپی لینے لگی۔ اگرچہ امورِ سلطنت میں ملکہ خیزران اور یحیٰی کو بڑی اہمیت حاصل تھی مگر اس کا یہ مطلب

نہیں کہ ہارون امور مملکت سے بے خبر رہتا تھا۔ یہ تو محض ان کی عزت افزائی تھی۔ ورنہ وہ خود سلطنت کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتا تھا تاہم اس کی یہ خوش نصیبی تھی کہ اسے یحیٰی ایسا صاحبِ بصیرت دانشور وزیر اعظم مل گیا جو ہر اعتبار سے اس عہدہ کے اہل تھا

علویوں کی شورشیں

ہارون نے برسرِ اقتدار آکر اہل بیت سے بہت اچھا سلوک کیا۔ نظربندوں کو رہا کر دیا۔ قید و بند کی پابندیاں دُور کر دیں۔ ضبط شدہ جائدادیں واپس کر دیں۔ لیکن اس کے باوجود علویوں نے ہارون کے خلاف ناکام بغاوتیں کیں۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ نفس زکیہ کے دو بھائیوں یحیٰی بن عبداللہ اور ادریس بن عبداللہ نے ہادی سے شکست کھائی، یحیٰی دیلم بھاگ گیا اور ادریس نے افریقہ میں جا کر پناہ لی۔ اور آہستہ آہستہ اِن دونوں بھائیوں نے وہاں اپنے لیے جگہ بنا کر لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی۔

دیلم میں یحییٰ بن عبداللہ نے تھوڑی مدت میں
کافی جمعیت پیدا کر کے علم بغاوت بلند کر دیا۔ مشرقی
ممالک کے لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔
ہارون نے فضل بن یحییٰ برمکی کو پچاس ہزار فوج کے
ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ فضل اہل بیت
کا ہمدرد تھا۔ اس نے یحییٰ کو سمجھا بجھا کر صلح پر
راضی کر لیا۔ اور ہارون الرشید نے اپنے ہاتھ سے
امان نامہ لکھ کر دیا۔ فضل ان کو ساتھ لے کر بغداد آیا۔
ہارون نے بڑی آؤ بھگت کی اور انعام و اکرام سے
نوازا۔

دوسرے بھائی ادریس نے شمالی افریقہ میں اپنی امامت
کا اعلان کر دیا۔ بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ
پر بیعت کر لی اور انھوں نے ۱۷۲ھ میں وہاں اپنی
حکومت کی بنیاد رکھی۔

ہارون کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے
لشکر کشی کی بجائے اپنے ایک معتمد غلام شماخ کو روانہ
کیا کہ کسی طرح سے ادریس کا خاتمہ کر دے۔ اس نے
افریقہ پہنچ کر ادریس کے ہاتھ پر بیعت کی اور جلدی ہی
اس قدر اعتماد حاصل کر لیا کہ ادریس کے مشیران خصوصی

میں شامل ہو گیا۔ آخر ایک دن موقع پا کر ادریس کو زہر دے دیا۔ اور خود بھاگ کر بغداد واپس آگیا۔ ۱۷۷ھ میں ادریس نے وفات پائی۔ چند دن بعد ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے بچے کے ہاتھ پر بیعت کی اور مشیروں کے ذریعے کاروبار حکومت چلاتے رہے۔ اس طرح افریقہ کا یہ حصہ بنی عباس کی خلافت سے نکل گیا۔

افریقہ کی بغاوتیں

۱۷۷ھ میں ہارون نے فضل بن روح کو افریقہ کا والی اور مغیرہ کو تیونس کا امیر مقرر کر کے بھیجا۔ مغیرہ ایک اکھڑ مزاج اور تند خو نوجوان تھا۔ اس نے جب سرکاری افسروں سے توہین آمیز سلوک کیا تو انھوں نے اس کی شکایت فضل سے کی۔ لیکن فضل نے ان شکایات پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس پر عبداللہ بن جارود نے بغاوت کر کے مغیرہ کو تیونس سے نکال دیا۔ فضل نے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ کو تیونس کا امیر بنا کر بھیجا۔ عبداللہ ابن جارود نے اس کا بھی مقابلہ کر کے عبداللہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو تہ تیغ کر دیا۔

ابن جارود نے آس پاس کے امیروں کو جمع کر کے

قیروان پر حملہ کر دیا۔ فضل شکست کھا کر بھاگ گیا اور ابن جارود نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ ہارون نے ہرثمہ بن اعین اور یحیٰی بن موسیٰ کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ کئی لڑائیوں کے بعد ابن جارود گرفتار ہو کر بغداد بھیج دیا گیا۔ جہاں اسے قید کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود چھوٹی چھوٹی شورشیں بپا ہوتی رہیں۔ ہرثمہ نے افریقہ کی امارت سے استعفیٰ دے دیا اور اس کی جگہ ابن مقاتل کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔

ابنِ مقاتل بڑا درشت مزاج انسان تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف پھر لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ابنِ مقاتل ان شورشوں کو دبانے میں ناکام رہا اور بھاگ کر طرابلس میں پناہ لی۔

ابراہیم بن اغلب

(اس وقت علاقہ زاب کا عامل ابراہیم بن اغلب تھا۔ افریقہ کی بغاوتوں میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ یہ باغی سرداروں سے خفیہ طور پر سازباز رکھتا تھا۔ ابن مقاتل کے بھاگ جانے پر ابراہیم نے دربارِ خلافت میں درخواست بھیجی کہ اگر مجھے افریقہ کا گورنر بنا دیا جائے تو میں

ایک لاکھ دینار سالانہ لینے کی بجائے چار لاکھ دینار سالانہ خزانہ خلافت میں بھیجتا رہوں گا۔ اس پر ۱۸۴ھ میں ابراہیم بن اغلب کو افریقہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا ابراہیم ان تمام باغی سرداروں کو جانتا تھا اس لیے اس نے ان سب کو پکڑ کر دربار خلافت میں بھیج دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افریقہ کی شورش ختم ہو گئی ۔ اب ابراہیم نے قیروان کے قریب ایک نیا شہر عباسیہ تعمیر کرایا اور اس کو اپنا دارالحکومت بنایا اور عرصہ تک اس کا خاندان برسر اقتدار رہا)

خارجیوں کی بغاوتیں

(جزیرہ کے ایک خارجی رئیس ولید بن ظریف نے ۱۷۸ھ میں ایک زبردست فوج جمع کر کے علم بغاوت بلند کیا اور کئی مقامات پر شاہی فوج کو شکست دی۔ ہارون نے یزید شیبانی کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ چونکہ ولید اور یزید ہم قبیلہ تھے لہذا یزید جنگ سے کتراتا تھا اور چاہتا تھا کہ مفاہمت ہو جائے ۔ جب ہارون کو معلوم ہوا کہ یزید لڑائی کو ٹال رہا ہے تو اس نے اس کو سختی سے لکھا کہ فوراً حملہ کر دو۔ اس

پر یزید نے ولید کو پیغام بھیجا کہ ہم اور تم میدانِ جنگ میں فیصلہ کر لیں۔ خلقِ خدا کا خونِ ناحق کیوں بہایا جائے۔ اس پر دونوں میدان میں آ گئے اور دیر تک اپنی اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے تھے آخر ولید مارا گیا اور یزید فتح مند ہو کر واپس لوٹا۔

خراسان کی بغاوت

علی بن عیسٰی برامکہ کا دشمن تھا۔ جب برامکہ زیرِ عتاب آئے اور قید و بند میں ڈال دیے گئے تو ان دنوں علی بن عیسٰی خراسان کا گورنر مقرر ہو کر آیا۔ اس نے برامکہ کا غصہ ان کے حامیوں پر نکالنا شروع کر دیا اور ان پر بہت سختیاں کیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے وہب بن عبداللہ اور حمزہ بن اترک کی زیرِ سرکردگی بغاوت کر دی۔ وہب تو ایک لڑائی میں مارا گیا لیکن حمزہ قابو نہ آیا اور اکثر شورش برپا کرتا رہا ــــــ اس وقت ماوراءالنہر کا حاکم یحیٰی بن اشعث تھا جسے علی بن عیسٰی نے مقرر کیا تھا اس فوج کا سردار رافع بن لیث تھا جو برامکہ کا حمایتی اور علی بن عیسٰی اور ہارون الرشید سے متنفر تھا۔ علی بن عیسٰی کو اس کی سازشوں کا علم

ہوا تو اس نے اسے قید کر دیا لیکن وہ قید سے نکل بھاگا۔ اس نے سمرقند پہنچ کر وہاں کے گورنر کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ علی بن عیسیٰ نے اپنے بیٹے عیسیٰ بن علی کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ عیسیٰ مارا گیا۔ خراسان کے حالات کو دیکھتے ہوئے ہارون نے علی بن عیسیٰ کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ ہرثمہ بن اعین کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔

خراسان کے لوگ علی بن عیسیٰ کے مظالم اور سختیوں سے بہت تنگ آئے ہوئے تھے۔ ہرثمہ نے خراسان پہنچ کر علی اور اس کے ساتھیوں کو سخت سزائیں دیں۔ اور ہر طرح سے رعایا کی دلجوئی کی۔ جس سے امن و امان قائم ہو گیا۔ مگر رافع کے مقابلے میں ہرثمہ کی بھی کوئی پیش نہ گئی۔ تو ہارون خود اس کے خلاف فوج کشی کے لیے روانہ ہوا مگر راہ میں ہی اس نے طوس کے مقام پر وفات پائی۔

شام، سندھ اور موصل کی شورشیں

۱۸۶ھ میں شام میں مضری اور یمنی قبائل میں پھر جنگ شروع ہو گئی۔ عبدالصمد حاکم دمشق نے بہت

کوشش کی کہ یہ کشت و خون بند ہو کر ان میں صلح ہو جائے مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس پر ہارون نے عبدالصمد کو معزول کر کے موسیٰ بن علی کو وہاں کا امیر مقرر کیا۔ جس نے کئی لڑائیوں کے بعد اس شورش کو ختم کیا۔

سندھ میں بھی کچھ یمنی اور مضری قبیلے آباد تھے۔ شام کی لڑائی کا ان پر بھی اثر ہوا اور ان میں بھی لڑائی شروع ہو گئی۔ خلیفہ نے کئی حاکم بھیجے مگر کسی کو کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ چونکہ مضریوں کی تعداد زیادہ تھی انھوں نے یمنیوں کو بھگا کر سندھ کے اکثر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ہارون نے داؤد بن حاتم مہلبی کو ایک زبردست لشکر دے کر سندھ کی طرف روانہ کیا۔ داؤد نے مضریوں کے زور کو توڑ کر ان علاقوں کو ان کے قبضہ سے نکال لیا۔

موصل میں ایک سردار عطاف نے ۱۷۷ھ میں بغاوت کر دی اور دو سال تک سارے صوبے پر قابض رہا۔ ہارون الرشید خود لشکر لے کر اس کی طرف گیا اور اس کو شکست دے کر اس صوبے کو عباسی مملکت میں شامل کیا۔

فتوحات

ہارون الرشید جب تک زندہ رہا اس کا یہ دستور تھا کہ ایک سال جہاد کرتا اور ایک سال حج بیت اللہ کے لیے جاتا۔ اس کے عہد میں رومیوں سے کئی معرکے ہوئے اور مسلمانوں نے بہت سے رومی علاقوں کو فتح کر لیا۔ اس مقصد کے لیے رومی سرحد پر ایک خاص فوج متعین تھی۔ جو رومیوں سے برسرپیکار رہتی تھی اس فوج کی کمان شاہی خاندان کے ایک شخص عبدالملک بن صالح کے سپرد تھی۔

۱۸۷ھ میں عبدالملک بغاوت کے جرم میں قتل کیا گیا تو ہارون نے اپنے بیٹے قاسم کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ جس نے بہت سے رومی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ رومیوں نے مسلمان قیدیوں کو چھوڑ کر صلح کر لی۔

اس وقت قسطنطنیہ پر ایک عورت ملکہ ایرینی حکومت کرتی تھی۔ ایک طرف تو وہ مسلمانوں کے آئے دن کے حملوں سے پریشان تھی دوسری طرف فرانس کا بادشاہ شارلیمان مشرق کی طرف بڑھتا ہوا چلا آ رہا تھا

ملکہ ایرینی نے اس وقت یہی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے چنانچہ اس نے ایک کثیر رقم بطور خراج دینے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔

رومیوں نے ملکہ کو برطرف کر دیا اور اس کی جگہ نیسی فورس (نقفور) کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اس نے شارلیمان سے صلح کر لینے کے بعد ہارون کو لکھا۔

"ملکہ نے اپنی نسوانی کمزوری اور فطری کم عقلی کے باعث تم سے دب کر صلح کر لی تھی۔ اور خراج بھی دیتی رہی۔ بہتر یہ ہے کہ وہ تمام رقم فوراً واپس کرو اور آئندہ ہمیں خراج دو۔ ورنہ ہماری تلوار تمہارا دماغ درست کر دے گی۔"

جب یہ خط ہارون الرشید کے پاس پہنچا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس وقت اس کے غصے کا یہ عالم تھا کہ کسی امیر وزیر کو اس کے سامنے جانے کی جرأت نہ ہوتی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے نیسی فورس کو لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از جانب امیر المومنین ہارون الرشید

(بنام سگ روم)

"او کافر کے بچے! میں نے تیرا خط پڑھا اس کا جواب تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا سننے کی ضرورت نہیں۔ فقط"

یہ خط بھیج کر فوراً ایک لشکرِ عظیم کی تیاری کا حکم دیا اور خود اپنی کمان میں اس لشکر کے ساتھ ہرقلہ پر حملہ کر دیا۔ نیسی فورس میں مقابلہ کی جرأت کہاں تھی اس نے زیادہ جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے ذلت کے ساتھ صلح کر لی۔ لیکن ابھی اسلامی فوج رقہ کے مقام پر ہی پہنچی تھی کہ نیسی فورس نے پھر لغاوت کر دی۔ اس کا خیال تھا کہ گرم ملکوں کی رہنے والی فوجیں شمالی علاقوں کی سردی میں مقابلہ کی جرأت نہ کریں گی۔ مگر مسلمان بھلا ان چیزوں کو کب خاطر میں لاتے تھے۔ ہارون الرشید اسی وقت رقہ سے لوٹا اور روم کے بہت سے قلعوں کو فتح کر کے مسمار کر دیا۔ اور فتح کے ڈنکے بجاتا ہوا نقفور کے سر پر جا پہنچا۔ اس نے پھر گڑگڑا کر معافی مانگی۔ ہارون نے اس سے جزیہ کی تمام رقم وصول کی اور بہت سے رومی علاقوں کو عباسی سلطنت میں شامل کر کے واپس ہوا۔

۱۸۸ھ میں ایک بار پھر قیصر روم نیسی فورس نے سرکشی کی۔ مگر ابراہیم بن جبرئیل نے شکست فاش دی۔ اس لڑائی میں چالیس ہزار رومی قتل ہوئے۔

ہارون کی شان و شوکت اور فتوحات کا حال سن کر فرانس کے بادشاہ شارلیمان نے خلیفہ کی خدمت میں تحائف بھیجے۔ ان کے بدلے میں ہارون نے جو تحفے بھیجے ان میں ایک عجیب و غریب گھڑی بھی تھی۔ جو عربی صنعت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ جب ایک گھنٹہ پورا ہو جاتا تو گھڑی کے اندر سے پیتل کے دو سوار نکلتے ساتھ ہی گھنٹی بجتی۔ اس وقت فرانس کی علمی حالت یہ تھی کہ جب یہ گھڑی فرانس میں پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے اسے جادو کا کھیل سمجھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں کوئی جن قید کیا ہوا ہے۔

وفات

رومیوں کو تباہ کرنے کے بعد جب ہارون الرشید رقہ میں آیا اور اس کو رافع بن لیث اور خراسان کے دوسرے امیروں کی سرکشی کا حال معلوم ہوا تو وہ خود ایک زبردست لشکر لے کر خراسان کی طرف بڑھا

ہارون الرشید اس وقت بھی علیل تھا جب اس نے روم پر فوج کشی کی تھی۔ مگر جب وہ جرجان میں پہنچا تو بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔

برامکہ کی تباہی کے بعد ہارون الرشید نے اپنی سلطنت اپنے تینوں بیٹوں امین، مامون اور قاسم میں تقسیم کر دی تھی اور اسی ترتیب سے ان کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ جب ہارون الرشید بیمار ہوا امین بغداد میں قائمقام خلیفہ تھا۔ قاسم رقہ میں اور مامون باپ کے ساتھ تھا۔ جرجان سے اس نے مامون کو مرو کی طرف بھیج دیا اور تمام سرداران لشکر کو بلا کر وصیت کی کہ میرے بعد اس لشکر اور تمام سامان کا مالک مامون ہوگا۔ مامون کو روانہ کرکے خود طوس میں آگیا اور یہیں ۲ رجمادی الثانی ۱۹۳ھ مطابق ۲۴ رمارچ ۸۰۸ء کو انتقال کیا۔

زرّیں عہد

ہارون الرشید کے عہد کو تاریخ اسلام کا زرّیں باب کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں عباسی سلطنت اپنے انتہائی عروج پر تھی۔ آلِ ابی طالب اور دوسرے سازشی گروہوں

کی ہمتیں پست ہو چکی تھیں۔(اس کو علم و فضل کا بہت شوق تھا۔ وہ بڑا پابندِ مذہب تھا)۔ اس کے زمانے میں لامذہبوں کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ روم و یونان کی عیسائی سلطنتیں اس کی باجگذار تھیں۔ قوت و ثروت اور شان و شوکت کے اعتبار سے دنیا کی کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔(بغداد علم و فضل کا مرکز بن گیا۔ بڑے بڑے باکمال اور ماہر اس شہر میں جمع ہو گئے)(علم و فضل اور صنعت و حرفت نے بڑی ترقی کی)(ہارون کی علمی قدر شناسی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم علما بھی اس کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے)۔ بغداد میں آسائش و راحت اور دولت و اطمینان کی فراوانی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں شاعری اور موسیقی کے چرچے بھی ہونے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ بن گیا۔

(بغداد کی مساجد علوم کا مرکز تھیں اور مملکت اسلامیہ کے ممتاز علما، ائمہ، محدثین، قاری اور حافظ ان میں درس دیا کرتے تھے۔ اس وقت تک کسی شخص کو عالم نہ سمجھا جاتا تھا۔ جب تک وہ بغداد سے سندِ فضیلت حاصل نہ کر لے)

(دینی علوم کے علاوہ دوسرے فنون جیسے نجوم، فلسفہ
طب، ریاضی اور منطق وغیرہ کی تعلیم کا بھی اعلیٰ بندوبست
تھا۔ اس نے تالیف و ترجمہ کے لیے 'بیت الحکمت' کے
نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ دوسرے ملکوں سے ماہرین
زبان کو بلا کر انھیں شاہی انعام و اکرام سے نوازا
تاکہ وہ دوسری زبانوں سے عربی میں کتابوں کے ترجمے
کریں۔)

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ بغداد میں علوم و فنون اور
تہذیب و تمدن اور معاشرت کی ترقی میں ہارون کے ساتھ
خاندان برامکہ کی فیاضیوں اور مساعی کو بھی بہت دخل
ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

ہارون الرشید ایک بہادر، سپاہی منش، مدبر اور بیدار
مغز حکمران تھا اس کی زندگی کے مختلف رنگ سامنے
آتے ہیں۔ جنگ پر جاتا تو مہینوں گھوڑے کی زین پر
بسر کر دیتا۔ صوفیوں میں وہ ایک تارک الدنیا صوفی نظر
آتا۔ فقہا کی مجلس میں وہ فقیہ اور محدثین کی صحبت میں
وہ ایک بلند پایہ محدث ثابت ہوتا۔ غیر مسلموں سے
بھی اس کا برتاؤ بہت اچھا تھا لیکن وہ لامذہبوں کو
ہرگز پسند نہ کرتا تھا۔ اس کی رقیق القلبی کا یہ عالم

تھا کہ جب کوئی اسے نصیحت کرتا اور دوزخ سے ڈراتا تو وہ زار و قطار رونے لگتا۔ ہارون کے علمی ذوق و شوق کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں امین اور مامون کو لے کر مدینہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہو کر موطا سنتا رہا۔

ہارون نے اپنے عہد حکومت میں نظم و نسق ملکی کو بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس نے پرانے نظام حکومت میں بہت اہم اصلاحات کیں۔ تمام سرکاری شعبوں کو از سر نو ترتیب دے کر ان کی خامیوں کو دور کیا۔ کئی نئے شعبے قائم کیے کہ حکومت کا کام زیادہ مستعدی سے انجام پا سکے۔ رعایا کا حال معلوم کرنے کے لیے خلیفہ خود راتوں کو بھیس بدل کر شہر کی گشت کرتا تھا تاکہ عوام کے حالات سے باخبر رہے۔

دستورِ حکومت اگرچہ اسلامی تھا مگر نہ بنی امیہ کے امیروں اور نہ ہارون الرشید سے پہلے عباسی خلفا کے حاکموں نے کبھی شریعت اسلامیہ پر عمل کیا تھا۔ بلکہ وہ شریعت کے نام پر اپنی من مانیاں کرتے تھے۔ ہارون نے ان تمام خرابیوں کو دور کر کے شریعت اسلامیہ کو

رائج کیا۔ بد طینت حاکموں کی جگہ دیانت دار اور پرہیزگار افسروں کو مقرر کیا۔ خراج کی وصولی میں جو زیادتیاں ہوتی تھیں ان کو دور کیا۔ غیر شرعی ٹیکس موقوف کر دیے گئے (مشہور عالم اور فقیہ قاضی ابو یوسف سے خراج کے قوانین کے متعلق "کتاب الخراج" کے نام سے ایک رسالہ لکھوایا)۔

ہارون کسی بدکردار، خائن، ظالم عامل یا والی کو قطعاً برداشت نہ کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ ایسے عاملوں کو ان کے عہدوں پر قائم رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ ان کو ایسی عبرتناک سزا دینی چاہیئے کہ دوسروں کو کان ہو جائیں۔

بغداد اس کے زمانے میں عروس البلاد کہلاتا تھا۔ شہر کی سربفلک عمارتیں اور عالیشان محل دیکھ کر سیاح دنگ رہ جاتے تھے۔ دجلہ کے دونوں کناروں پر خوش نما باغات اور دلفریب سیر گاہیں عجیب بہار دیتی تھیں۔ مساجد کی پُر وقار عمارتیں شہر کی عظمت و شوکت کو چار چاند لگا رہی تھیں۔

بغداد دنیا جہان کے مال و اسباب تجارت کی بہت بڑی منڈی تھا۔ ہر طرف سے قافلے سامان تجارت لے

کر بغداد آتے اور یہاں سے مال خرید کر دوسرے ملکوں میں لے جاتے۔ ان کی حفاظت کا حکومت کی طرف سے معقول انتظام تھا۔ ہر منزل پر سرائیں اور کنوئیں تھے چوری چکاری اور رہزنی کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔

مال و دولت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ اخراجاتِ مملکت نکال کر ہر سال چالیس کروڑ درہم سالانہ بیت المال میں جمع ہوتے۔ بیت المال کا انتظام دیانت دار حساب دانوں کے سپرد تھا۔ پہلے یہ قاعدہ تھا کہ صوبائی عامل خلیفہ کو خوش کرنے کے لیے جائز و ناجائز ذرائع سے روپیہ جمع کر کے بیت المال میں بھیج دیا کرتے تھے ہارون نے ان سب ظالمانہ طریقوں کو یک قلم موقوف کر دیا۔ اور تمام غیر شرعی محاصل بند کر دیے۔

برامکہ کا عروج و زوال ہارون الرشید کے عہدِ خلافت کا ایک ایسا اہم واقعہ ہے جو ایک الگ باب کا محتاج ہے۔ اس لیے امین و مامون کے تصفیے سے پہلے ان کا تذکرہ کر دینا نہایت ضروری ہے۔

برامکہ کا عُروج وزوال

ایران میں زرتشت کے پیروکار آگ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ آگ ان کے لیے اس لیے مقدس تھی کہ ہر چیز آگ میں جل جاتی ہے جس سے ان کا خیال تھا کہ آگ میں جلنے کے بعد ہر چیز پاک ہو جاتی ہے۔

اس خیال کے تحت جابجا آتش کدے روشن رہتے تھے جن کا انتظام وہاں کے بڑے بڑے پجاریوں کے سپرد ہوتا تھا۔ مذہبی پیشوا ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی بڑی عزت و توقیر کرتے تھے۔ ہر آتش کدے کا بڑا پجاری ("مغ") کہلاتا تھا لیکن بلخ کا آتش کدہ جو "نوبہار" کے نام سے مشہور تھا سب سے بڑا اور مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے بڑے پجاری کا مرتبہ دوسرے پجاریوں سے بلند ہوتا تھا اور یہ (برمغ") کہلاتا تھا۔ اس علاقے میں جب اسلام آیا۔ تو عربوں نے اس "برمغ" کو (برمک) بنا دیا اور اور اس خاندان میں جو لوگ پیدا ہوئے وہ برمکی کہلائے۔

جب ۲۱ھ میں مسلمانوں کا سیلاب مرو سے آگے بلخ کی طرف بڑھا تو وہ آتش کدہ جو مدتوں سے روشن تھا ٹھنڈا ہو گیا اور یہ لوگ آہستہ آہستہ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے لیکن برمک ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ وہ مسلمانوں کو اس لیے اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے کہ مسلمانوں کے آ جانے سے ان کے اقتدار اور پیشوائی پر بہت بُرا اثر پڑا تھا لیکن جب مسلمانوں نے جزیہ لے کر یہ علاقہ ترکوں کے حوالے کر دیا تو ترکوں نے ان پر بہت مظالم کیے۔ اب ان برمکیوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر اپنی زندگیاں اور عزت و آبرو بچائیں۔

۸۶ یا ۸۷ھ میں خاندان برامکہ میں ایک لڑکا خالد پیدا ہوا جو بڑا ہو کر ابو مسلم کی جماعت میں شامل ہو گیا جس نے اس کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ چالیس سال کا تھا جب ابو مسلم کی سفارش پر یہ ابوالعباس سفاح کا وزیر مقرر کیا گیا۔ اس کے خاندان نے اپنی سخاوت فیاضی اور دریا دلی کی جو داستانیں چھوڑی ہیں وہ رہتی دنیا تک زندہ رہیں گی لیکن اسی عباسی خاندان نے برامکہ کا جو حشر کیا وہ بھی تاریخ کا عبرتناک

باب ہے۔

خالد بڑا مدبّر اور قابلیت میں ایک بلند پایہ انسان تھا۔ سفاح کے بعد بھی ابو جعفر منصور کا وزیر رہا۔ ابو جعفر نے شروع میں ہی ابو مسلم کا خاتمہ کر دیا تھا جو خالد کا محسن و مربی تھا مگر خالد نے اپنے کسی فعل سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ ابو مسلم کے قتل کو اچھا نہیں سمجھتا۔ اس نے منصور کو اپنے اعتماد میں لے رکھا تھا وہ کئی صوبوں کا عامل اور منصور کے بیٹے مہدی کا اتالیق بھی رہا۔ ۱۶۳ھ میں اس نے وفات پائی۔

یحییٰ

خالد کی طرح اس کا بیٹا یحییٰ بھی بڑا عاقل، ہوشیار اور بلند پایہ سیاست دان تھا۔ منصور نے اس کی خوبیوں کو دیکھ کر اسے آذربائیجان کا گورنر مقرر کر دیا۔ جہاں اس نے اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیئے مہدی اس کی لیاقت اور قابلیت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کو واپس بلا کر ہارون الرشید کی اتالیقی پر مقرر کر دیا۔ اس خاندان کے تعلقات شاہی خاندان سے اس قدر جلد بڑھ گئے کہ ہارون نے یحییٰ کی بیوی کا دودھ پیا۔

اور یحییٰ کے بیٹے فضل کو ہارون کی والدہ خیزران نے دودھ پلا لیا۔ ہارون یحییٰ کو ابّا جان اور فضل کو بھائی کہہ کر پکارا کرتا تھا۔

جب ہادی نے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہا تو یحییٰ نے محض اس خیال سے کہ ہارون تخت سے محروم نہ ہو جائے۔ جعفر کی ولی عہدی کی مخالفت کی اور اس سلسلے میں مشکلات بھی سہیں۔ حالانکہ ہارون دست برداری پر آمادہ ہو گیا تھا مگر یحییٰ نے اس کو اس ارادے سے باز رکھا۔ چنانچہ جعفر کو ولی عہد بنانے سے پہلے ہی ہادی چل بسا اور ہارون الرشید تختِ خلافت پر بیٹھا۔

ہارون الرشید کو چونکہ علم تھا کہ یہ تخت و تاج محض یحییٰ کی کوششوں سے اسے حاصل ہُوا ہے۔ لہذا اس نے بھی یحییٰ کو منصبِ وزارت سونپ کر تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ یہاں تک کہ مہرِ خلافت بھی اسی کے حوالے کر دی گئی۔

یحییٰ ایک بلند پایہ عالم، مفکّر، سیاست دان اور علم پرور انسان تھا اس کی فیاضی اور دریا دلی کا یہ نتیجہ ہُوا کہ ممتاز اہلِ علم اور اہلِ فن اس کے پاس

جمع ہو گئے۔

یحییٰ کے بیٹے

یحییٰ کے چار بیٹے فضل، جعفر، موسیٰ اور محمد تھے۔
جو اپنی اہلیت، علمیت اور قابلیت کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ فضل اپنے دوسرے بھائیوں سے علم و دانش اور فضل و کمالات میں کہیں بڑھا ہوا تھا۔ ہارون اس کو اپنا بڑا بھائی کہتا تھا۔ ابتدا میں تو وہ امورِ سلطنت میں باپ کا ہاتھ بٹاتا رہا مگر بعد میں خراسان کا گورنر بنا دیا گیا۔ یہ سیر و شکار کا بڑا شوقین تھا اور اپنے فرائضِ منصبی تک بھول جاتا تھا مگر جب یحییٰ کو پتہ چلا تو اس نے اسے ڈانٹ کر اس سے منع کر دیا۔ اور وہ لہو و لعب کو چھوڑ کر اپنی پوری توجہ حکومت کے کاموں میں صرف کرنے لگا۔ کئی شورشوں کو فرد کیا اور رعایا کی بھلائی اور بہتری کے لیے بہت سے کام کیے۔

فضل صرف ایک اعلیٰ سیاست دان ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک نامور فوجی جرنیل بھی تھا۔ اس نے کئی ایک معرکے کامیابی سے سر کیے اور عباسیہ کے نام پر ایک

عظیم الشان لشکر تیار کیا جس کی تعداد پانچ لاکھ تھی۔
ہارون فضل کے انتظامات اور اصلاحات سے اتنا خوش ہوا کہ خراسان سے واپس آکر اپنے مشیروں میں شامل کر لیا۔ کہتے ہیں کہ فضل جب خراسان سے بغداد واپس آیا تو ہارون نے بنفس نفیس مع شہزادگان اور اور اراکین حکومت اس کا پُر تپاک خیر مقدم کیا۔
یحییٰ کے بوڑھا ہو جانے کے باعث قلمدانِ وزارت فضل کے سپرد ہوا اور ہوتے ہوتے اس نے اس قدر اعتماد پیدا کر لیا کہ مُہرِ خلافت بھی اس کی تحویل میں آ گئی اور اسے وزیرِ صغیر کہا جانے لگا۔
فضل فیاضی اور سخاوت میں اپنے باپ سے بھی چند قدم آگے تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے دروازے سے کبھی کوئی سوالی خالی ہاتھ نہیں گیا۔ علما اور فضلا اور اہلِ حق پر وہ بے دریغ روپیہ خرچ کرتا۔ محتاجوں اور ناداروں کے روزینے مقرر کر رکھے تھے۔ بڑا بردبار اور متحمل مزاج انسان تھا۔ عفو و درگذر کا یہ عالم تھا کہ اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف کر دیا کرتا تھا۔ انتظامی اور فوجی معاملات میں اس کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ شہزادہ امین کی اتالیقی کے فرائض بھی اسی نے انجام دیئے۔

یحییٰ کا دوسرا بیٹا جعفر بھی شجاعت، قابلیت اور فیاضی میں کسی طرح فضل سے کم نہ تھا۔ تقریر و تحریر اور فصاحت و بلاغت میں اس کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ اس کی ذہانت اور خوش طبعی سے متاثر ہو کر ہارون نے نے اسے مصاحبِ خاص بنا لیا تھا اور جلوت و خلوت اور سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ تعلقات اتنے بڑھ گئے کہ اس کا رُتبہ فضل سے بھی بلند ہو گیا۔

۱۷۶ھ میں جعفر کو محلاتِ شاہی کا داروغہ بنانے کے ساتھ ساتھ مصر کا گورنر بھی بنا دیا گیا۔ اس نے عمران بن مہران کو اپنی طرف سے مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور خود ہارون کی خدمت میں رہا۔ ۱۸۰ھ میں جعفر نے ہی دمشق و شام کے فسادات کو جا کر فرو کیا۔ اس کے صلے میں خراسان کی گورنری (تفویض) ہوئی اور ایک ماہ کے بعد ہی اسے خاص بغداد کی حکومت اور کوتوالی دے دی گئی۔ جعفر اس عہدہ پر ہرثمہ بن اعین کو متعین کر کے خود ہارون کی خدمت میں ہی رہا۔

اب ہارون کی یہ خواہش تھی کہ وزارت کا منصب جعفر کے سپرد کر دیا جائے لیکن فضل کے ساتھ برادرانہ

تعلقات کی بنا پر وہ خود کہتے ہُوئے ہچکچاتا تھا۔آخر اس نے اپنے اس ارادے کا یحییٰ سے ذکر کیا کہ وہ مُہر خلافت جعفر کے حوالے کر دے ۔یحییٰ نے فضل کو بلا کر کہا کہ امیر المومنین چاہتے ہیں کہ مُہر خلافت داہنے ہاتھ کی بجائے بائیں ہاتھ کے سپرد کر دی جائے ۔ فضل نے اس اشارے کو سمجھ لیا اور وزارت کا عہدہ جعفر کے سپرد کر دیا ۔ اس کے بعد جعفر حکومت کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔

وزارت کے علاوہ شہزادہ مامون کی اتالیقی بھی جعفر کے سپرد تھی۔ دوسرے دو بھائی موسیٰ اور محمد بھی اہم فوجی عہدوں پر مامور تھے مگر فضل اور جعفر کی طرح انھوں نے کوئی خاص شہرت حاصل نہیں کی۔

برامکیوں نے کچھ اس طرح حکومت پر اپنا تسلط جما لیا تھا کہ وہی سلطنت کے مالک اور فرمانروا سمجھے جاتے تھے ۔صوبوں کے گورنر اور فوج کے اعلیٰ افسروں کے تقرر کا اختیار اب جعفر کے ہاتھ میں تھا۔ خزانہ بھی اسی کے قبضے میں تھا۔ یہاں تک کہ جب ہارون الرشید کو روپے کی ضرورت ہوتی تو وہ جعفر ہی سے روپیہ مانگتا تھا۔ان کے محلات شاہی محلات کو مات کرتے تھے ۔ ان کے

دربار ہارون الرشید کے دربار سے زیادہ پُر تعلق اور آراستہ پیراستہ ہوتے تھے۔ اہم جاگیروں کو انھوں نے اپنی ذاتی ملکیت میں لے رکھا تھا۔ ان کے دروازوں پر سائلوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ اور کوئی بھی ان کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ اہلِ کمال ان کی خدمت میں آتے اور جھولیاں بھر کر لے جاتے۔ ان کی دادو دہش نے حاتم کی سخاوت کو مات کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی شخص ایسا نہ تھا جو برامکہ کا خیرخواہ اور مداح نہ ہو۔ خاندانِ برامکہ کی عزت، قبولیت، اختیار، اقتدار، قوت و طاقت مال و دولت معراجِ کمال پر پہنچ چکی تھیں۔ ماسوا اس کے کہ وہ تختِ خلافت پر نہیں بیٹھتے تھے دنیا کی تمام چیزیں انھیں حاصل تھیں۔ اس شوکت و اقتدار کے باوجود انھوں نے جو کام بھی کیا ہارون الرشید کے مزاج کے مطابق کیا اور کبھی اس کو یا کسی بدخواہ کو یہ موقع ہی نہ دیا کہ ان کے کسی کام پر اعتراض کر سکے لیکن اعزاز و اکرام کے باوجود اگر برامکہ کے ذہن میں کوئی بدنیتی ہو تو ظاہر ہے ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔

برامکہ کے اقتدار کا بظاہر جو نتیجہ نکلا یہی تھا کہ برامکہ چونکہ عجمی نژاد تھے اور انھوں نے حکومت بھی عجمیوں کی مدد سے حاصل کی تھی۔ لہذا سلطنت پر عجمی اثر گہرا ہوتا گیا۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ عربی کی بجائے فارسی نے فروغ حاصل کیا۔ اہم عہدوں پر عجمی مقرر ہونے لگے۔ ہر محکمہ اور زندگی کے ہر شعبہ میں ایرانی اثر غالب نظر آنے لگا۔ یہاں تک کہ ایران کا قومی تیوہار نوروز بڑی شان و شوکت سے منایا جانے لگا۔

شخصی حکومت کے متعلق شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک مقولہ لکھا ہے کہ

"گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند"

یعنی بادشاہ کہیں تو سلام کرنے سے رنجیدہ خاطر ہو جاتے ہیں اور کبھی گالیاں سن کر سزا دینے کی بجائے گالی دینے والے کو خلعت سے سرفراز کرتے ہیں یہ لوگ جس سے خوش ہو گئے اس کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر فلک الافلاک تک لے گئے اور جس کے خلاف ذرا بھی ماتھے پر شکن آئی آنکھ کے اشارے سے اس کا کام تمام کر دیا۔ ایسے واقعات پہلے آچکے ہیں

آخر برامکہ کا بھی وہی حشر ہوا جو ان کے پیشرو وزیروں کا ہو چکا تھا۔

ایک مدت سے ہارون الرشید کے کان میں برامکہ کے خلاف شکایات پہنچ رہی تھیں جن کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ ہارون الرشید سب کچھ سنتا مگر اپنی کسی حرکت سے اس نے اپنی بدگمانی کا اظہار نہ کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کی ذرا سی بھنک بھی باہر نکل گئی تو اسے کس قدر مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۱۸۶ھ میں ہارون الرشید رے سے واپس آیا۔ مؤتمن کی ولی عہدی کی بیعت لی۔ اپنی سلطنت کو اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کر کے تقسیم نامہ لکھا۔ امین و مامون سے عہد نامے لکھوائے۔ علما و فضلا کے اس پر دستخط کرائے اور مکہ معظمہ جا کر اس عہد نامہ کو کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی اور لوگوں میں خیرات کے بعد واپس لوٹا۔ مقام انبار پہنچ کر محرم ۱۸۷ھ کی آخری تاریخ کو اپنے غلام مسرور کو حکم دیا کہ جعفر کے خیمے میں پہنچ کر فوراً اس کا سر کاٹ کر اس کے سامنے پیش کرے۔ مسرور کو تعجب

ہُوا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ہارون الرشید نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ اسے جو حکم دیا گیا ہے اس کی فورا تعمیل کرے چنانچہ مسرور جعفر کے خیمے میں پہنچا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا اور سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس لے آیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے باپ اور بھائیوں کو اس ہوشیاری سے گرفتار کر لیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور ان کے مقرر کیے ہوئے جتنے عمالِ حکومت تھے سب کو معزول کر دیا گیا۔ اس رات ہارون نے کمال تدبیر سے ایک ہی رات میں برامکہ کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے عبدالملک بن صالح کو بھی قید کر دیا۔ جو رشتے میں ہارون الرشید کا دادا لگتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ برامکہ نے اس کو تختِ خلافت پر متمکن کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ برامکہ کے تمام آدمی ماسوا محمد بن خالد برمکی کے پکڑ لیے گئے۔ ان کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ وہ لوگ جن کے دروازوں سے سائل جھولیاں بھر بھر کر لے جایا کرتے تھے۔ آج انہی برامکہ کی عورتیں بغداد کے بازاروں میں بھیک مانگ کر اپنی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ یحییٰ برمکی نے ۱۹۰ھ میں اور فضل برمکی

نے ۱۹۳ھ میں بحالت قید وفات پائی۔
حقیقت یہ ہے کہ برامکہ کے زوال کے اسباب سے شاید ہی کوئی واقف ہو کیونکہ ہارون الرشید کا یہ قول کہ اگر میرے کُرتے کو یہ پتہ لگ جائے کہ میں نے برامکہ کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا ہے تو میں اس کو آگ میں جلا دوں گا۔ ان کی تباہی کے بعد اعلان کر دیا گیا کہ کوئی شخص برامکہ کا نام بھی نہ لے۔ ہارون کے اس تدبّر کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ عباسی حکومت ایک بہت بڑے فتنہ و فساد سے بچ گئی۔
بہرحال مورخوں نے اس زوال کے جو اسباب بیان کیے ہیں ان کا درج کیا جانا بھی ضروری ہے۔
برامکہ کے عروج کو اکثر امرائے دربار حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جب بھی ان کو موقع ملتا وہ برامکہ کے خلاف ہارون کے کان بھرنے کی کوشش کرتے۔ ابتدا میں تو اس نے ان کی طرف توجہ نہ کی مگر آہستہ آہستہ اس کے قلب و دماغ پر ان باتوں کا اثر ہونے لگا۔
برامکہ کا سب سے بڑا دشمن فضل بن ربیع تھا۔ فضل کا باپ ربیع بن یوسف منصور کا بڑا معتمد تھا ابو مسلم کے قتل کا مشورہ دینے والا بھی یہی تھا۔

۱۵۴ھ میں منصور نے خالد بن برمک کی بجائے ربیع کو اپنا وزیر بنا لیا۔ مہدی کے زمانے میں بھی ربیع عہدۂ وزارت پر قائم رہا۔ چونکہ ابتداً یہ حاجب تھا لہذا وزیر بننے کے بعد بھی حاجب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مہدی نے اس کے ساتھ ابو عبداللہ معاویہ بن لیسار کو وزیر بنا دیا۔ مہدی کے زمانے میں کئی وزیر بنے مگر ربیع نے کسی وزیر کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ ہادی نے تمام اختیارات، ربیع کے ہاتھ میں دے دیے تھے۔ ہادی اور ربیع کی موت قریب ہوئی۔ فضل کا خیال تھا کہ ہارون الرشید تخت نشین ہو کر وزارت اس کے سپرد کر دے گا لیکن جب اس نے دیکھا کہ برامکہ بر سر اقتدار آ گئے ہیں تو وہ ان کا بدترین دشمن بن گیا۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ۱۷۶ھ میں اہل بیت میں سے نفس زکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے دیلم میں بغاوت کی۔ ان کی سرکوبی کے لیے فضل بن یحییٰ کو بھیجا گیا۔ فضل نے ان کو سمجھا بجھا کر صلح پر راضی کر لیا اور اپنے ساتھ بغداد لے آیا۔ ہارون نے یحییٰ بن عبداللہ کو امان دے کر فضل کے سپرد

کر دیا۔ جہاں وہ آرام و آسائش سے رہنے لگے۔

فضل بن ربیع نے اب ہارون الرشید کو بھکانا شروع کر دیا کہ یحیٰی بن عبداللہ برامکہ کی امداد سے پھر تختِ خلافت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے بعض دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ اس پر ہارون نے یحیٰی بن عبداللہ کو پکڑ کر جعفر کے حوالے کر دیا۔ مگر ان لوگوں کو اہل بیت سے عقیدت تھی جس کی بنا پر جعفر نے ان کو رہا کر دیا۔

فضل کو کہیں اس کی خبر مل گئی۔ اس نے ہارون سے اس کی شکایت کی۔ مگر ہارون نے کمال ہوشیاری سے اپنے رنج و غصے کو دباتے ہوئے فضل بن ربیع کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ جعفر نے یہ حرکت میرے کہنے پر کی ہے۔

شام کے کھانے پر جب ہارون نے جعفر سے امام یحیٰی کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ تو اس نے کہا کہ میرے پاس ہیں۔ ہارون نے کہا۔ "سچ کہتے ہو؟" اس پر جعفر کا ماتھا ٹھنکا کہ ہارون کو اطلاع مل چکی ہے۔ اس نے کہا امیرالمومنین! چونکہ ان سے کسی قسم کے خطرے کا اندیشہ نہ تھا اس لیے میں نے انھیں

رخصت کر دیا ہے۔ ہارون نے اپنی دلی کیفیات کو چھپاتے ہوئے کہا۔ تم نے اچھا کیا میں بھی انھیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

ہارون کو سب سے بڑا غصہ یہ بھی تھا کہ رعایا ہارون کی بجائے برامکہ کو اپنا بادشاہ سمجھنے لگی تھی۔ چونکہ یہی حکومت کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔اس لیے تمام امراء، وزراء، عامل، حاکم اور فوجی افسر ان کی طرف مائل تھے۔خزانہ پر ان کا قبضہ تھا اور ان کی داد و دہش کو جو شاہی خزانے سے ہوتی تھی کوئی پوچھنے اور ٹوکنے والا نہ تھا۔ہارون عضو معطل ہو کر رہ گیا تھا۔

ہارون کی بیوی زبیدہ جعفر کے سخت خلاف تھی اس نے ہارون کو مجبور کر کے امین کی ولی عہدی کا حکمنامہ لکھوا لیا۔ جعفر ہارون کو اکساتا رہتا تھا کہ امین کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے مامون کو ولی عہد بنائے۔ اس بناپر زبیدہ جعفر کے خلاف ہارون کے کان بھرتی رہتی تھی۔

مورخین کا یہ خیال ہے کہ مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر ہارون کو یہ قدم اٹھانا پڑا۔

ولی عہدی

مامون الرشید چونکہ علم و فضل میں امین پر کہیں زیادہ فوقیت رکھتا تھا اس لیے اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ مامون کو اپنا جانشین اوّل بنائے۔ مگر زبیدہ خاتون کے زیرِ اثر آکر اس نے امین کو ولی عہد اوّل اور مامون کو ولی عہد دوم مقرر کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی اس کی تلافی یوں کر دی کہ خراسان کا صوبہ مستقل طور پر مامون کے حوالے کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی اور بعد میں امین و مامون کے مابین مسلسل خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اور آخر مامون کامیاب رہا۔

ہارون کی سیرت

ہارون کی وفات کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ یہاں اس کی سیرت کا مختصر سا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

ہارون الرشید بڑا دیندار اور شرعی احکام کا بڑا پابند تھا۔ وہ جب بر سر اقتدار آیا تو ایک سال حج کو اور دوسرے سال جہاد کو جاتا۔ اس نے اپنے

زمانۂ خلافت میں نو حج کیے۔ خود صاحبِ علم و فضل تھا اس لیے علماء کی صحبت کو پسند کرتا تھا اور اکثر وعظ و نصیحت کا یہ اثر ہوتا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

ایک مرتبہ کسی بزرگ نے ہارون سے کہا کہ اگر کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ قیامت کے دن آپ سے رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا اس لیے آپ خدا سے ڈرتے رہیے تو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو یہ کہے کہ آپ اہل بیت نبوی ہیں اور محض قرابت نبوی کے باعث آپ کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

یہ سن کر ہارون اس بری طرح رویا کہ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو اس پر ترس آنے لگا۔

ہارون ایک صاحبِ تدبیر حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ شجاعت و بہادری میں بھی بلند مقام رکھتا تھا کئی معرکوں میں اس نے فوجی کمان خود کی اور جنگ میں ہمیشہ فوج کے آگے ہوتا تھا۔ اس میں انتقامی جذبہ بہت تھا۔ کیا مجال غصّے کے عالم میں کوئی بڑے سے بڑا بھی اس کے سامنے نگاہیں اونچی کر سکے۔

فیاضی اور سخاوت میں اس کا مقام بہت بلند تھا۔ ہر روز ہزاروں درہم خیرات کرتا۔ اہلِ کمال کا بڑا قدر دان تھا۔ ہارون ان کی بڑی عزت افزائی کرتا۔ اور معمولی معمولی باتوں پر ان کو انعام و اکرام سے نوازتا۔

امین الرشید

۱۹۲ھ تا ۱۹۸ھ مطابق ۸۰۸ء تا ۸۱۳ء

ہارون الرشید نے جب خراسان کی طرف کوچ کیا تو اس نے امین کو بغداد میں اپنا نائب مقرر کیا۔ مامون اس کے ہمراہ تھا۔ راہ میں ہی اسے اس کی مستقل ولایت خراسان کی طرف بھیج دیا۔ موتمن اپنے علاقہ میں تھا۔ طوس میں پہنچ کر جب اس کی علالت نے زور پکڑا تو اس نے وصیت کی کہ اس وقت جو مال و دولت اور فوج یہاں موجود ہے اس کا مالک مامون ہو گا۔

برامکہ کے زوال اور خاتمہ کے بعد فضل بن ربیع ہارون الرشید کا وزیر اعلیٰ تھا۔ وہ ایک خود پسند، سازشی اور شرپسند انسان تھا اس کی ہمیشہ یہ کوشش

رہی کہ حکومت پر اس کا قبضہ رہے۔

ہارون الرشید نے جب طوس میں انتقال کیا تو فضل بن ربیع وہاں موجود تھا وہ جانتا تھا کہ امین لہو و لعب کا دلدادہ اور عیش پسند نوجوان ہے۔ وہ امورِ سلطنت میں توجہ نہ دے گا اس کے برعکس مامون ایک صاحبِ علم اور صاحبِ بصیرت انسان ہے۔ اس نے اپنا مفاد اسی میں سوچا کہ مامون کے پاس جانے کی بجائے ساری فوج کو ورغلا کر بغداد لے جائے اور وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا۔ لیکن اس کا بُرا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں بھائیوں کے تعلقات روز بروز خراب ہوتے چلے گئے اور نوبت جنگ و جدال تک پہنچی۔ خزانۂ خلافت اس وقت زبیدہ خاتون کے قبضے میں تھا جو رقہ میں تھی۔ وہ سارا خزانہ لے کر فوراً بغداد کی طرف روانہ ہو گئی۔ مامون کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ سخت پریشان ہوا اور نمائندگانِ قوم کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے تھی کہ مامون کو خود جا کر راہ میں ہی فضل بن ربیع کو جا لینا اور سمجھا بجھا کر واپس لے آنا چاہیئے لیکن فضل بن سہل جو مامون کا معتمد خصوصی تھا اور ذوالریاستین کے

لقب سے ملقب تھا۔ اس کو اس تجویز سے اتفاق نہ تھا۔ اس کو اندیشہ تھا کہ اگر مامون گیا تو فضل بن ربیع کسی بہانے سے مامون کو گرفتار کر کے امین کے پاس لے جائے گا۔

آخر اس کام پر ایک سردار سہیل بن سعد کو مامور کیا گیا۔ نیشاپور کے مقام پر اس نے فضل بن ربیع سے مل کر اسے تمام نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ اور عہد شکنی سے باز رکھنے کی بڑی کوشش کی لیکن فضل بن ربیع نے اس کی ایک نہ سنی اور بغداد پہنچ گیا۔ امین نے اس کو اپنا وزیر مقرر کر لیا۔

ان حالات سے اگرچہ مامون بڑا پریشان ہُوا مگر فضل بن سہیل جو بڑا عالی حوصلہ اور مدبّر انسان تھا اس نے اس کو تسلی دی کہ آپ گھبرائیں نہیں سب کام ٹھیک ہو جائیں گے۔

اس کشمکش کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ خراسانیوں کی مدد سے عباسیوں کے برسراقتدار آنے کا نتیجہ یہ ہُوا تھا کہ عربی اور عجمی دو الگ گروہ بن گئے تھے۔ اور عباسیوں کے برسراقتدار آتے ہی مشرقی علاقوں میں رہنے والے عربوں کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔

امین کی ماں ہاشمیہ تھی جب کہ مامون کی ماں
ایک ایرانی عورت تھی۔ زبیدہ خاتون مامون کو پسند
نہ کرتی تھی۔ عباسی سردار عباسیوں کے خیر خواہ تھے
وہ علویوں کو ناپسند کرتے تھے لیکن خراسان کے لوگ
علویوں کے خیر خواہ تھے۔ مامون نے چند ایسے استادوں
سے تعلیم پائی تھی جو علویوں کے طرف دار تھے۔ یہی
وجہ تھی کہ خراسان میں مامون کو مقبولیت حاصل ہوئی۔
ہارون کے مرنے کے بعد یہ دونوں گروہ امین و مامون
کی حمایت میں ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان
ہونے کو نکلے کھڑے تھے۔

اگرچہ فوج اور خزانہ بغداد میں پہنچ چکا تھا تاہم
مامون نے بغداد کے ساتھ نامہ و پیام جاری رکھا۔
اور امین کو اپنی نیازمندی اور فرمانبرداری کا یقین
دلانے کی کوشش کی لیکن امین ایسے خود غرض امراء
کے شکنجے میں پھنسا ہوا تھا جہاں سے اس کا نکلنا مشکل
تھا۔ فضل بن ربیع کو اندیشہ تھا کہ اگر دونوں بھائیوں
کے تعلقات بہتر ہو گئے تو اس پر وبال آ جائے گا۔
لہذا ہر وقت مامون کے خلاف امین کے کان بھرنے
کی مہم شروع کر دی۔

مامون نے اہلِ خراسان کا دل مٹھی میں لینے کے لیے اپنے تمام حکام و عمال کو حکم دیا کہ رعایا کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ ان کی مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ انصاف کرو۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہونے پائے۔ بہت سے علاقوں پر سے خراج ہٹا لیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام مامون کے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہو گئے۔

فضل بن ربیع نے اب ایک اور چال چلی وہ یہ کہ امین، مامون اور موتمن کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے نابالغ بیٹے موسیٰ کو اپنا جانشین بنا لے۔ پہلے تو اس نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں رضامند ہو گیا اور دونوں بھائیوں کو لکھا کہ وہ موسیٰ کی ولی عہدی کو مان لیں۔ موتمن تو مان گیا مگر مامون نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود امین نے موسیٰ کو ولی عہد نامزد کر دیا اور ولایت عہد کا جو عہد نامہ لکھوا کر ہارون نے خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکایا تھا اسے اُتروا کر پھاڑ دیا۔ اس پر مامون نے مرکز سے تعلقات توڑ کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔

اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف سے زبردست جنگی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ فضل بن سہیل نے مغرب کو جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی تاکہ کوئی خبر بغداد نہ پہنچ سکے اور نہ امین خراسان کے سرداروں سے کسی قسم کی ساز باز کر سکے۔ اس کے علاوہ فضل نے امین کے ایک درباری عباس بن موسیٰ کو اپنے ساتھ ملا لیا تاکہ وہ ان کو بغداد کے حالات سے باخبر رکھے۔

اسی اثنا میں خراسان کے سرحدی علاقوں کے اکثر حکمران مامون کے خلاف ہو گئے۔ کئی بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ترکوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ تبت کے بادشاہ نے الگ فتنہ کھڑا کر دیا۔ مامون نے اس موقع پر انتہائی تدبر کا ثبوت دیتے ہوئے ان سب سے صلح کر لی۔ ترکوں کا خراج معاف کر دیا اور شاہ تبت کے مطالبات مان کر اس کو اپنا دوست بنا لیا۔

امین و مامون کی جنگ

۱۹۵ھ میں امین نے اپنے مشہور جرنیل علی بن عیسیٰ کو پچاس ہزار کا زبردست لشکر دے کر خراسان پر حملہ

کرنے اور مامون کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ روانگی سے پہلے جب علی ملکہ زبیدہ خاتون کی خدمت میں سلام کے لیے گیا تو اس نے اسے چاندی کی ایک زنجیر دی کہ اس میں مامون کو جکڑ کر لانا لیکن ساتھ ہی اس کی بھی تاکید کر دی کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی اور گستاخی سے پیش نہ آنا۔

مامون نے اپنے ایک غلام طاہر بن حسین کو علی بن عیسٰی کے مقابلے پر روانہ کیا۔ اس کے ساتھ صرف چار ہزار نوجوان تھے۔ طاہر نے رے میں ڈیرے ڈال کر چاروں طرف جاسوسوں کا جال پھیلا دیا "تاکہ اُسے شاہی لشکر کی نقل و حرکت کا پتہ چلتا رہے۔

اس سے قبل علی بن عیسٰی خراسان کا گورنر رہ چکا تھا اس نے اپنے عہد امارت میں خراسانیوں پر بڑے مظالم توڑے تھے۔ خراسانی اس کے سخت مخالف تھے اب وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے زور و شور سے تیاریاں کرنے لگے۔

علی بن عیسٰی کو اپنی طاقت و قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس کے مشیروں نے اسے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا مشورہ دیا مگر اس نے یہ کہہ کر ان کو ٹھکرا دیا کہ

ایک غلام زادہ فنِ جنگ کو کیا جان سکتا ہے۔
جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو خراسانیوں نے اس بہادری، جرأت اور جان فروشی سے پچاس ہزار کا مقابلہ کیا کہ بغدادی فوج کے چھکے چھوٹ گئے علی بن عیسٰی مارا گیا۔ اس کے مرتے ہی امین کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ خراسانیوں نے دور تک ان کا تعاقب کر کے ان کو تہ تیغ کیا۔ علی کا سر کاٹ کر مامون کی خدمت میں بھیجا گیا۔

دوسری لڑائی

علی بن عیسٰی کی شکست اور موت نے فضل بن ربیع کو حواس باختہ کر دیا۔ مگر امین اس سے قطعاً بے پروا لہو و لعب میں مشغول تھا۔ اب کے عبدالرحمٰن بن جبلہ کو بیس ہزار فوج دے کر طاہر کے مقابلے پر بھیجا گیا۔ ہمدان کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ جب عبدالرحمٰن نے اپنے میں مقابلہ کی ہمت نہ پائی تو قلعہ بند ہو گیا۔ طاہر نے محاصرہ کر لیا۔ تنگ آ کر عبدالرحمٰن پھر مقابلے کو نکلا مگر شکست کھائی اور طاہر سے امان طلب کی۔ اب ہمدان اور عراق پر مامون کا

قبضہ تھا۔

اہلِ حجاز کی بیعت

جب امین نے ولایت عہد کا عہد نامہ جو خانہ کعبہ پر لٹکا ہُوا تھا منگوا کر پھڑوا دیا تو اہلِ حجاز میں اس کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی مکہ کے حاکم داؤد بن عیسیٰ نے لوگوں کو جمع کر کے امین کی اس حرکت کی شدید مذمت کی اور اعلان کیا کہ ہمیں ایسے بد عہد خلیفہ کی بیعت فسخ کر دینی چاہیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اہلِ مکہ نے مامون کی بیعت کا اعلان کر دیا۔

تیسری جنگ

عبدالرحمٰن کی ناکامی پر امین نے اپنے دو جرنیلوں احمد بن یزید اور عبداللہ بن حمید کی کمان میں بیس بیس ہزار کے دو لشکر روانہ کیے۔ طاہر نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے ان میں یہ افواہ پھیلا دی کہ بغداد میں خزانہ خالی ہو گیا ہے اور لشکر کو تنخواہ ملنی بند ہو گئی ہے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ لشکریوں نے شہر میں لوٹ مار شروع کر دی ہے۔ اس افواہ نے امین کے لشکریوں

کو پریشان کر دیا اور وہ آپس میں ہی دست و گریبان ہونے لگے۔ اور آخر ان کو ناکام واپس لوٹنا پڑا۔

طاہر کا رعب و دبدبہ اب ہر طرف پھیل گیا تھا وہ جس طرف بھی رُخ کرتا امرا اور حکام اس کے آگے سے بھاگ جاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ واسط، کوفہ اور بصرہ پر بغیر لڑے مامون کا قبضہ ہو گیا۔

طاہر فتح کے پرچم اڑاتا ہُوا حلوان تک پہنچ گیا۔ یہیں ہرثمہ بن اعین ایک زبردست فوج لے کر طاہر سے آ ملا۔ مامون کے فرمان کے مطابق یہ علاقے اس نے ہرثمہ کے حوالے کیے اور خود اہواز کی طرف بڑھا۔

بغداد کا محاصرہ

طاہر نے مدائن پر قبضہ کر لینے کے بعد آگے بڑھ کر (نہر صرصر) پر ڈیرے ڈال دیے۔ امین نے کئی فوجیں طاہر کے مقابلے کے لیے بھیجیں مگر ہر بار ان کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر بغداد میں آ گئیں۔ انہی ایام میں عجمیوں اور شامیوں میں فساد ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ شامی بغداد سے نکل گئے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طاہر نے عجمی فوجوں کے سردار

حسین بن علی کو ساز باز کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ حسین نے ۱۹۶ھ میں امین کو معزول کر کے گرفتار کر لیا اور مامون کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ لیکن اہلِ شہر نے حسین کو قتل کر کے امین کو آزاد کر دیا اور دوبارہ تختِ خلافت پر بٹھا دیا۔ حسین کے قتل اور شہر کے بگڑے ہوئے حالات کو دیکھتے ہی فضل بن ربیع بھی چپ چپاتے کہیں بھاگ گیا۔

ایک طرف سے طاہر بن حسین نے اور دوسری طرف سے ہرثمہ بن اعین نے بغداد کا محاصرہ کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ بھاگ بھاگ کر مامون کی فوج کی پناہ میں آنے لگے۔ امین کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ اس پر امین نے اپنے سونے چاندی کے زیورات، تمام آرائشی سامان اور زر و جواہرات فروخت کر کے لشکر کو تنخواہ دی۔ غنڈوں نے شہر میں اودھم مچا دیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔

یہ حالات دیکھ کر امین نے پہلے تو بھاگ جانے کی کوشش کی۔ مگر جب اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ تو اس نے یہی مناسب خیال کیا کہ مامون کی فوج سے پناہ طلب کرے۔ طاہر چونکہ عجمی تھا امین نے اس کی

بجائے ہرثمہ کی پناہ کو اس لیے پسند کیا کہ یہ عربی النسل تھا۔ ہرثمہ نے اس کی درخواست قبول کر لی۔

طاہر کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی اس نے سوچا کہ اگر امین ہرثمہ کی پناہ میں چلا گیا تو بغداد کی فتح کا سہرا اس کی بجائے ہرثمہ کے سر پر باندھا جائے گا لہذا اس نے امین کے محل کے گرد اپنے جاسوسوں کا جال بچھا دیا اور حکم دیا کہ جونہی امین ہرثمہ کی پناہ میں جانے لگے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ امین کو بھی پتہ چل گیا۔ اب اس نے خفیہ راستے سے کشتیوں کے ذریعے نکل بھاگنے کی کوشش کی۔ جب وہ کشتی میں سوار ہوا تو طاہر کے آدمیوں نے پتھر مار کر کشتی کو ڈبو دیا۔ مگر ملاحوں نے امین کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ طاہر کے آدمیوں نے اسے پکڑ کر قید کر دیا اور رات کو کچھ آدمیوں نے جا کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

محرم ۱۹۸ھ میں بغداد پر مامون کا قبضہ ہو گیا اور جمعہ کے روز بغداد کی مساجد میں مامون کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور شہر والوں کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا گیا۔

خلافتِ امین

امین نے ۲۷، ۲۸ برس کی عمر میں کوئی ساڑھے چار برس حکومت کی۔ اس کا زمانۂ خلافت فتنہ و فساد اور خونریزی میں بسر ہوا۔ امین لہو و لعب کا عادی اور امورِ سلطنت انجام دینے کے قطعی نا اہل تھا۔ گانے بجانے کا شوقین تھا۔ اس کے امرا وزرا سب خود غرض تھے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ یہ عیش و عشرت میں غرق رہے۔ فضل بن ربیع کسی وقت بھی عباسیوں کے لیے اچھا وزیر ثابت نہ ہوا۔

ہارون نے بھی ولی عہد کے انتخاب میں امین کو اولیت کا درجہ دے کر ایک بہت بڑی غلطی کی۔ ہارون نے محض عربی النسل ہونے پر امین کا انتخاب کیا تھا۔ تاکہ سلطنت پر عجمیوں کا جو اثر بڑھ رہا ہے اس کو ختم کیا جا سکے۔ لیکن امین اس کام کے لیے ہرگز موزوں آدمی نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو اس کے بعد کہیں جگہ نہ ملی اور عجمی اور مجوسی النسل عملاً حکومت پر چھا گئے اور اس امر کی کوشش کرتے رہے کہ حکومت عباسیوں کے ہاتھ سے نکل کر علویوں کے

ہاتھ میں چلی جائے۔ مگر قدرت نے ان کے ارادوں کو ناکام بنا دیا۔ لیکن بعد میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ انھی ترکوں اور خراسانیوں نے اسلامی سلطنت کو پارہ پارہ کر کے اپنی الگ حکومتیں قائم کر لیں جن کا تذکرہ اپنے مقام پر آئے گا۔

مامون الرّشید

۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ مطابق ۸۱۳ء تا ۸۳۳ء

جس رات ہادی کا انتقال ہوا۔ اسی رات ہارون الرشید کی ایک لونڈی مراجیل جو مجوسی النسل تھی کے ہاں مامون پیدا ہوا۔ مامون ابتدا ہی سے آغوشِ مادر سے محروم ہو چکا تھا۔

ہارون الرشید نے اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ بارہ برس کی عمر میں اپنی ذہانت خداداد کے باعث وہ کئی علوم میں طاق ہو چکا تھا۔ بغداد علم و فضل کا مرکز تھا اور بڑے بڑے علما وہاں موجود تھے مامون نے ان سے فیض حاصل کیا۔

مامون قرآن حکیم کا حافظ اور متبحر عالم تھا۔ برجستہ گوئی اور فصاحتِ کلام میں اسے کمال حاصل تھا۔ بڑے بڑے

ائمہ سے حدیث کا درس لیا۔ اس کے علم و فضل اور عقل و دانش کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ اس کی تمام تر تعلیم و تربیت جعفر برمکی ایسے فاضل کی نگرانی اور زیرِ ہدایت ہوئی تھی۔

جس وقت ابنِ قتل ہوا مامون مرو میں تھا۔ اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مامون کی خلافت کے قیام کا باعث فضل بن سہل کی مساعی تھیں۔ مامون نے بھی اسے "ذوالریاستین" اور "صاحب السیف و القلم" کا لقب دے کر اسے اپنی حکومت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا۔ فضل کی یہ خواہش تھی کہ مامون مرو میں ہی رہے اور اسی کو اپنا دارالخلافت بنائے تاکہ مامون اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہے اور کسی اور کو اس میں دخل انداز ہونے کی جرأت نہ ہو، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر بغداد کو دارالخلافہ بنا لیا گیا تو طاہر اور ہرثمہ ایسے جرنیل اس کی راہ میں سنگِ گراں بن جائیں گے۔ چنانچہ اس نے مامون کو مرو میں ہی رہنے پر راضی کر لیا۔ طاہر چاہتا تھا کہ جن علاقوں کو اس نے فتح کیا ہے ان پر اس کو عاملِ مقرر کیا جائے لیکن فضل بن سہل، طاہر اور ہرثمہ کو بغداد اور مرو سے

دور ہی رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ فضل نے مامون سے ایک حکمنامہ پر دستخط کرائے کہ طاہر نصر بن شیث کی سرکوبی کو جائے اور اس کے ساتھ ہی اپنے بھائی حسن بن سہل کو بغداد میں اپنا نائب السلطنت بنا کر بھیج دیا۔ اس پر عراق کے لوگوں کے شکوک یقین میں بدل گئے کہ مامون پورے طور پر فضل کے قبضہ میں ہے اور اب ایرانیوں کا دور دورہ ہوگا اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عرب سرداروں میں بڑی بے چینی پھیل گئی۔ جابجا شورشیں ہونے لگیں۔ حامیانِ اہل بیت نے ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ بنو امیّہ کے حامی بھی سر اٹھانے لگے۔ حتّٰی کہ بنو عباس بھی مامون کے اس طرزِ عمل کے باعث اس کے خلاف ہو گئے۔

نصر بن شیث کی بغاوت

امین کے قتل کے بعد سلطنت میں عربی اور عجمی کا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ حلب کے سردار نصر بن شیث نے عربوں کو بھڑکا کر اپنے ساتھ ملا لیا اور علم بغاوت بلند کرکے اردگرد کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تو طاہر بن حسین کو نصر کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا لیکن طاہر اس

سلوک سے جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا بہت دل شکستہ اور آزردہ تھا۔ دوسرے وہ خود بھی نہیں چاہتا تھا کہ عربوں پر عجمی چھا جائیں اس لیے اس نے نصر بن شبیث سے محض چھیڑ چھاڑ ہی جاری رکھی۔

طاہر کے اس رویے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصر کی قوت و ہمت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اس نے جزیرہ کے کئی مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران میں حامیانِ اہل بیتؓ کی ایک جماعت نے اس کے ساتھ مل کر اس کو مشورہ دیا کہ اپنی طاقت کو زیادہ مستحکم اور منظم بنانے کے لیے ضروری ہے کہ کسی کو خلیفہ چن لیا جائے۔ نصر نے جواب دیا کہ میں بنو عباس کی حکومت کے خلاف نہیں ہوں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ عجمیوں کو عربوں پر فوقیت حاصل نہ ہو۔ اگر مجھے اس کا یقین دلا دیا جائے تو میں اطاعت کے لیے تیار ہوں۔

نصر گیارہ سال تک حکومت کے خلاف لڑتا رہا۔ آخر عبداللہ بن طاہر کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا گیا جس نے پانچ سال کی متواتر جنگوں کے بعد اس کو صلح پر مجبور کیا۔

محمد بن ابراہیم کی بغاوت

ابوالسرایا قبیلہ بنو شیبان کا ایک شخص تھا جو ہرثمہ کی فوج میں ایک سردار تھا۔ جب ابن قتل ہوا تو بغداد کا خزانہ خالی تھا لہذا ہرثمہ نے بنو شیبان کو روزینے دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر ابوالسرایا حج کے بہانے وہاں سے چلا گیا اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہہ گیا کہ وہ بھی آہستہ آہستہ نکل کر اس کے پاس آ جائیں۔ جب اس کی قوم کے لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے تو اس نے لوٹ مار شروع کر دی۔ ادھر محمد بن ابراہیم علوی نے جو (طبا طبا) کے نام سے مشہور تھے۔ کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ابوالسرایا ان کی بیعت کر کے ان کے ساتھ مل گیا اور کوفہ سے عباسی حکمران کو نکال کر اس پر قبضہ کر لیا۔ حسن بن سہل نے زُبیر بن مصیب کو دس ہزار فوج کا سالار بنا کر اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا مگر ابوالسرایا نے اس کو شکست دی اور اس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔

ابوالسرایا نے جب یہ دیکھا کہ لوگ محمد بن ابراہیم کے مقابلے میں اس کو محض ایک خادم کی حیثیت دیتے

ہلیں تو اس نے طباطبا کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ اور ایک نوعمر لڑکے محمد بن جعفر کو ان کی جگہ امام مقرر کر کے تمام سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ کوفہ میں اپنے نام کا سکّہ جاری کر کے جن علاقوں کو اس نے فتح کیا تھا ان پر علوی حاکم مقرر کیے۔

ابوالسرایا نے ہر محاذ پر حسن بن سہل کی فوجوں کو شکست دی اور ان لڑائیوں میں ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ طاہر اس وقت نصر بن شیث کے ساتھ جنگ کر رہا تھا اور ہرثمہ کو اس نے خراسان کی طرف بھیج دیا تھا۔ لیکن اب حسن کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ ہرثمہ کو اس کی سرکوبی پر مامور کرے۔ چنانچہ اس نے ہرثمہ سے درخواست کی کہ اگر اس نے خود اس فتنہ کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی تو حکومت بنی عباس کے ہاتھوں سے نکل جائے گی ہرثمہ اگرچہ ان دونوں سے بہت رنجیدہ تھا مگر بنی عباس کی حکومت بچانے کے لیے وہ کوفہ کی طرف بڑھا۔ طرفین میں خونریز جنگ ہوئی اور ابوالسرایا شکست کھا کر بھاگ گیا۔ ہرثمہ نے عراق میں امن و امان قائم کر کے عوام سے دوبارہ مامون کی بیعت لی۔

ابوالسرایا کوفہ سے بھاگ کر قادسیہ پہنچا پھر سوس کی طرف آیا پھر جزیرہ کی طرف بھاگ گیا آخر جلولا کے مقام پر پکڑا گیا اور حسن بن سہل نے اس کا سر کاٹ کر مامون کے پاس بھیج دیا۔

حجاز و یمن میں بدامنی

ابوالسرایا نے اپنے دورِ اقتدار میں اپنے تمام مفتوحہ علاقوں پر علویوں کو حاکم مقرر کر دیا تھا۔ بصرہ اور مکہ پر حضرت امام موسیٰ کاظم کے بیٹوں زید اور حسین کو عامل مقرر کیا۔ زید نے بصرہ کے لوگوں پر بے شمار مظالم توڑے اور ہزارہا بے گناہوں کو آگ میں جھونک دیا جس پر ان کا نام زید النار پڑ گیا۔ ان کا دوسرا بھائی حسین مکہ کا حاکم مقرر ہو کر گیا تو عباسی حکمران داؤد حرم میں خونریزی کو پسند نہ کرتے ہوئے شہر سے چلا گیا۔ حسین نے مکہ پر قبضہ کر کے حرم کی بڑی توہین کی۔ اس کے ستونوں سے پترے اکھاڑ لیے۔ خانہ کعبہ کا کل قیمتی سامان لوٹ لیا۔ چاہ زمزم کے گرد لوہے کے جو جنگلے لگے ہوئے تھے ان کو اکھاڑ کر بیچ دیا۔ لوٹ مار کے علاوہ اس نے لوگوں

کی عزت و آبرو پر بھی ہاتھ مارنے شروع کر دیے تھے۔
مکہ کے لوگ اس کی ان مذموم حرکتوں سے بڑے برہم ہوئے اور انھوں نے یمن کے حاکم اسحاق بن موسیٰ سے درخواست کی کہ وہ انھیں اس مصیبت سے نجات دلائے۔ اسحاق نے جب مکہ پر حملہ کیا تو علویوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ قریب تھا کہ اسحاق کو شکست ہو جاتی کہ ہرثمہ کا ایک سردار فوج لے کر اس کی مدد کو پہنچ گیا اور انھوں نے علویوں کو شکست دے کر مکہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ امام محمد بن جعفر جان کی امان مانگ کر خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

یمن میں بغاوت

جب والئی یمن اسحاق مکہ پر حملہ آور ہوا تو امام موسیٰ کاظم کے بیٹے ابراہیم نے موقع پا کر یمن پر قبضہ کر لیا۔ اور لوگوں کو اس بے دردی سے قتل کیا کہ ان کا لقب قصاب مشہور ہو گیا۔

ہرثمہ کا انجام

عراق، حجاز اور شام میں جو کچھ ہو رہا تھا مامون

مرو میں تھا اور ان واقعات و حالات سے قطعاً بے خبر تھا۔ فضل بن سہل نے اس قسم کا انتظام کر رکھا تھا کہ کوئی بات خلیفہ کے کان تک نہ پہنچ سکتی تھی اور نہ کوئی شخص ہی فضل کی وساطت کے بغیر مامون کے سامنے جا سکتا تھا (مامون سارا سارا دن علما کی مجلسوں میں بیٹھ کر مختلف مسائل پر بحث کیا کرتا تھا) اور جب وہ فضل سے ملکی معاملات کے متعلق دریافت کرتا تو اس کو کہہ دیا جاتا کہ ہر طرف امن و امان ہے۔

یہ دیکھ کر ہرثمہ نے بیڑا اٹھایا کہ مرو جا کر خلیفہ کو تمام حالات سے آگاہ کرے کہ فضل اور اس کی ریشہ دوانیوں نے ملک کو کس قدر تباہی و بربادی کے قریب پہنچا دیا ہے اور عراق کے لوگ ان سے کس قدر برگشتہ اور پریشان ہیں۔ فضل بن سہل کو جب ہرثمہ کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے مامون سے ایک فرمان پر دستخط کرا کے ہرثمہ کے پاس بھیج دیا۔ جس میں تحریر تھا کہ تم خراسان کی طرف آنے کی بجائے شام اور حجاز کی ولایتوں کا انتظام کرو۔ لیکن ہرثمہ جانتا تھا کہ یہ سب شرارت فضل کی ہے۔ اس نے

اس حکم کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے سفر کو جاری رکھا۔

(مامون تو پہلے ہی فضل کی مٹھی میں تھا۔ اب اس نے مامون کو بھڑکانا شروع کیا کہ ہرثمہ نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ فضل کی ان باتوں کا یہ اثر ہوا کہ مامون بہت برہم ہوا اور جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو اسے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ فضل نے رات کو اپنے کچھ آدمی قید خانے میں بھیج کر ہرثمہ کا کام تمام کر دیا اور مامون سے کہہ دیا کہ قید خانے میں ہرثمہ کا انتقال ہو گیا ہے)

ہرثمہ کی موت کی خبر جب بغداد میں پہنچی تو نہ صرف عوام بلکہ فوج میں بھی غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور فوج نے بغاوت کر کے حسن بن سہل اور اس کے حاکموں کو بغداد سے نکال دیا اور منصور بن مہدی کو اپنا امیر بنا لیا۔ منصور نے اس شرط پر اس امارت کو قبول کیا کہ مامون کے آ جانے یا اس کی طرف سے کسی امیر کے مقرر کیے جانے پر امارت سے الگ ہو جائے گا۔

اب بغداد کی حالت ایسے شہر کی تھی جہاں کوئی

قانون نہ ہو۔ لوٹ مار، غنڈہ گردی، راہزنی اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں عام تھیں۔ اس موقع پر خالد درویش اور سہیل بن سلامہ نے شرفائے شہر کی ایک جمعیت تیار کر کے شہر کو اس غنڈہ گردی سے بچایا۔

امام علی رضا کی ولی عہدی

ایسے نازک موقع پر مامون سے ایک اور ایسا فعل سرزد ہوا جس سے تمام اہلِ بغداد بھڑک اٹھے۔ اس نے شیعوں کے آٹھویں امام علی رضا کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر کے ان کو اپنا ولی عہد بنا لیا اور حکم جاری کیا کہ سب لوگ عباسیوں کا سیاہ لباس چھوڑ فاطمیوں کا سبز رنگ اختیار کریں۔ لوگ سمجھتے تھے کہ مجوسی النسل فضل بن سہل بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے خلافت بنی عباس کے ہاتھ سے نکال کر علویوں کے ہاتھ میں دینا چاہتا ہے۔ اس پر ۲۰۲ھ میں بنو عباس نے جمع ہو کر مامون کی بیعت منسوخ کر کے ابراہیم بن مہدی کو المبارک کا نام دے کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور فوج نے بھی اس کی خلافت کو تسلیم

کر لیا۔ یہ حالات دیکھ کر حسن بن سہل مدائن کی طرف بھاگ گیا۔ ابراہیم نے کوفہ پر قبضہ کر کے مدائن میں ڈیرے ڈال دیے۔

انکشافِ حقیقت

بغداد میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر فضل نے مامون کو قطعاً ان واقعات سے بے خبر رکھا۔ صرف امام علی رضا ان واقعات سے واقف تھے۔ چنانچہ آپ نے تمام حالات سے مامون کو باخبر کیا کہ بغداد پر ابراہیم کا قبضہ ہو چکا ہے۔ فضل نے ہرثمہ پر جھوٹے الزام لگا کر تم کو اس سے برگشتہ کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ اور قید کی ہی حالت میں اسے قتل کرا دیا۔ اسی نے طاہر کو رقہ بھیج دیا۔ اگر یہ دونوں جرنیل عراق میں ہوتے تو کبھی یہ فتنہ وہاں سر نہ اٹھا سکتا۔ مامون نے جب اپنے دوسرے معتمد لوگوں سے اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے امام علی رضا کے بیان کی حرف بحرف تائید کی اور مشورہ دیا کہ اس وقت مناسب یہی ہے کہ آپ بغداد کو چل پڑیں۔ مامون کو جب واقعات کا علم ہوا تو وہ حیران دششدر رہ گیا اور بغداد جانے

کے لیے کوچ کا سامان کرنے لگا۔

مامون کی بغداد کو روانگی

فضل بن سہل کی تمام سازشیں بے نقاب ہو جانے پر بھی مامون نے فضل کو اس کے عہدۂ وزارت پر برقرار رکھا اور اپنی کسی حرکت سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس کی طرف سے خلیفہ کے دل میں کدورت ہے۔ جب یہ لوگ سرخس کے مقام پر پہنچے تو ایک دن مامون کے چند غلاموں نے حمام میں فضل بن سہل کا کام تمام کر دیا۔ اگرچہ یہ قتل مامون کے اشارے سے ہوا تھا مگر اپنے باپ ہارون کی طرح مامون اس قتل کو اپنے ذمے نہ لینا چاہتا تھا چنانچہ اس نے قاتلوں کو پکڑ کر سولی پر لٹکا دیا اور عجمیوں کی دلجوئی کے لیے فضل کے بھائی حسن بن سہل کو اپنا وزیر بنا لیا۔ بغداد کے لوگوں کو جب فضل بن سہل کی موت کی اطلاع ملی تو بغداد کے فوجی اور امرا ابراہیم سے الگ ہونے شروع ہو گئے۔

طوس میں پہنچ کر مامون نے اپنے باپ کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور چند دن وہیں قیام کیا۔ یہیں امام

علی رضا کا انتقال ہو گیا۔ امام علی رضا کی وفات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے اس لیے بیعت فسخ کی تھی کہ مامون خلافت کو علویوں کے سپرد کر رہا ہے اب انھوں نے بھی ابراہیم کی بیعت فسخ کر دی۔ اب میدان صاف تھا حسن بن سہل نے بغیر مزاحمت کے بغداد پر قبضہ کر لیا اور ابراہیم بھاگ گیا۔ ذی الحجہ ۲۰۳ھ کو اہل بغداد نے دوبارہ مامون کی بیعت کی۔

طوس سے چل کر مامون جب نہروان پہنچا تو بغداد کے امرا و رؤسا اور فوجی افسر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ طاہر بن حسین بھی یہیں مامون کی خدمت میں باریاب ہوا۔ مامون نے اس کی خدمات کے صلے میں اس کو جزیرہ کی امارت، بغداد کی کوتوالی اور ایک گراں بہا خلعت سے سرفراز کیا۔

۱۶ر صفر ۲۰۴ھ کو جب مامون بغداد میں آیا تو اہل شہر کی مسرت و خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ تمام شہر کو دلھن کی طرح سجایا گیا تھا۔ اس موقع پر مامون نے بھی بڑی فیاضی اور دریا دلی کا ثبوت دیا اور ان کو مال و دولت سے نہال کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ پچھلی کلفتوں کو بھول گئے۔ بغداد پہنچ

کہ مامون نے سبز رنگ ترک کر کے پھر عباسیوں کا سیاہ رنگ اختیار کر لیا۔

علویوں کی مزید شورشیں

مامون نے ہر ممکن طریقے سے علویوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی۔ وہ خود بھی شیعیت کی طرف مائل تھا۔ اور اس نے اپنے خاندان کو نظر انداز کر کے امام علی رضا کو نہ صرف اپنی بیٹی دی بلکہ اپنا ولی عہد بھی مقرر کیا۔ لیکن اس کے باوجود علویوں کو جب موقع ملتا شورش برپا کر دیتے۔

۲۰۷ھ میں عبدالرحمٰن بن احمد علوی نے یمن میں بغاوت کر دی۔ مامون نے دینار بن عبداللہ کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ عبدالرحمٰن نے شکست کھا کر پناہ مانگی اور دینار نے اسے مامون کے پاس بھیج دیا۔ مامون علویوں کی آئے دن کی فتنہ پردازیوں سے اس قدر تنگ آ گیا تھا کہ اس نے علویوں کو مزید رعایتیں اور سہولتیں دینا بند کر دیا۔

جب مامون کا بغداد پر قبضہ ہوا تو ابراہیم بن مہدی جان بچا کر روپوش ہو گیا تھا۔ اور بغداد میں ہی

اپنے چند ساتھیوں کے گھروں میں چھپا ہوا تھا۔ ۲۱۰ھ میں معلوم ہوا کہ کچھ فوجی افسر ابراہیم کے ایما پر بغاوت کی سازش کر رہے ہیں۔ مامون نے ان سب کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ابراہیم نے بھیس بدل کر بغداد سے بھاگ جانے کی کوشش کی مگر ایک عجمی نے پکڑ کر مامون کے سامنے پیش کر دیا۔ مامون نے اس کی تمام خطاؤں کو معاف کر کے جان بخشی کر دی۔

بابک خرّمی

زمانۂ قبل از اسلام میں ایران کے اندر ایک شخص مزدک نے ایک نیا مذہب قائم کیا تھا جس کے اصول اشتراکیت سے ملتے جلتے تھے۔ اس میں ہر شخص ہر چیز میں برابر کا حصہ دار تھا۔ نوشیرواں نے اس مذہب کے حامیوں کو چن چن کر ختم کر دیا۔ مگر اس کے ایک مرید جاویدان نے اس مذہب کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی اور اس میں اواگون ایسے کئی اور مسائل شامل کر لیے۔

جاویدان کے بعد اس کا شاگرد بابک خرمی اس فرقے کا پیشوا بنا۔ اس نے جاویدان کی بیوی سے شادی کر

کے مشہور کر دیا کہ جاویدان کی روح اس میں آ گئی ہے اس طرح اس نے اپنے گرد اچھی خاصی جمعیت پیدا کر کے لوٹ مار اور قتل و غارت گری شروع کر دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام تجارتی راستے اس کے خوف سے بند ہو گئے۔

مامون نے اس کی سرکوبی کے لیے کئی لشکر روانہ کیے مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ۲۱۲ھ میں محمد بن حمید کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے بھیجا۔ بابک کو حمید کی آمد کی خبر ملی تو پہاڑوں میں چھپ گیا۔ اسلامی فوج جب ایک دشوار گزار درّے میں پہنچی تو بابک نے نکل کر اچانک حملہ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور محمد بن حمید اس جنگ میں مارا گیا۔ اس فتح کے بعد گرد و نواح میں بابک کی دھاک بیٹھ گئی اور ایرانی دھڑا دھڑ اس کا مذہب قبول کرنے لگے۔ مامون کی زندگی میں بابک کے خلاف اور کوئی مہم نہیں بھیجی گئی آخر اس کے جانشین معتصم نے اس فتنہ کو ختم کیا۔

دولتِ زیادیہ

یمن میں آئے دن شیعہ فتنہ و فساد برپا کرتے رہتے

تھے۔ مامون نے حسن بن سہل کے مشورے سے زیاد بن ابوسفیان کے پوتے محمد بن ابراہیم زیادی کو وہاں کا عامل بنا کر بھیجا۔ اس نے اپنی ہمت و شجاعت اور قابلیت سے تھوڑی مدت میں مخالفین کا صفایا کر دیا اور خود اس علاقے کا حاکم بن بیٹھا۔ اس پر خلیفہ کا اقتدار برائے نام تھا۔ ۲۴۵ھ میں یہ فوت ہوا اور ۵۳۳ھ تک یمن کی حکومت اس کی اولاد اور غلاموں میں قائم رہی۔

دولتِ طاہریہ

طاہر بن حسین مامون کا ممتاز ترین جرنیل تھا۔ اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے خلافتِ عباسیہ کو بچانے کے لیے سب سے زیادہ حصّہ لیا۔ مامون بھی طاہر کی شاندار خدمات کا معترف تھا لیکن اس نے مامون کے بھائی امین کو قتل کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ طاہر جب بھی مامون کی خدمت میں جاتا اس کو اپنا مقتول بھائی یاد آ جاتا اور اس کا چہرہ متغیّر ہو جاتا۔ طاہر کو مامون کی اندرونی کیفیات کا علم ہو چکا تھا اس لیے وہ چاہتا تھا کہ دارالخلافہ سے کہیں

دور چلا جائے۔ اس وقت وزارت عظمیٰ پر احمد بن خالد متمکن تھا۔ طاہر نے اس سے بھی کہا کہ اسے کہیں باہر بھیج دیا جائے۔

اسی اثنا میں خبر ملی کہ عبدالرحمٰن فوج جمع کر رہا ہے۔ چنانچہ مامون کے حکم پر احمد بن خالد نے طاہر بن حسین کو خراسان کا والی مقرر کر کے باہر بھیج دیا۔

خراسان پہنچ کر طاہر بھی خود مختار ہو گیا، سالانہ خراج بھیج دیتا اور خطبہ میں خلیفہ کا نام لیا جاتا۔ اس کے علاوہ ملکی انتظامات میں خلیفہ کا کوئی دخل نہ تھا اس طرح اس نے خراسان میں دولت طاہریہ کی بنیاد رکھی۔ لیکن ایک وقت وہ بھی آیا کہ طاہر نے خطبہ میں سے بھی خلیفہ کا نام نکال دیا۔

جب مامون کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے احمد بن خالد کو بلا کر کہا کہ تمھاری ہی سفارش پر میں نے طاہر کو خراسان کا عامل مقرر کیا تھا اس لیے تم خود ہی جا کر اس فتنہ کو فرو کرو اور طاہر کو گرفتار کر کے میرے روبرو پیش کرو۔

احمد بن خالد خراسان جانے کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ اطلاع ملی کہ طاہر کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ

بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی بدلی ہوئی نیت کو دیکھ کر اس غلام نے جو ہارون نے اس کو دیا تھا زہر دے کر اس کا کام تمام کر دیا۔

مامون نے طاہر کے بیٹے طلحہ بن طاہر کو خراسان کا والی مقرر کر کے احمد بن خالد کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ جا کر طلحہ کی حکومت کو اس طرح مضبوط کر دے کہ پھر کسی قسم کی بغاوت اور سرکشی کا اندیشہ نہ رہے۔

اس طرح طاہر کی اولاد مستقلاً خراسان کی حاکم بن گئی جو کئی سال تک بر سر اقتدار رہی۔ آخر یعقوب بن لیث صفار نے ان کا خاتمہ کر کے خراسان میں صفاریہ خاندان کی بنیاد رکھی۔

زط کی بغاوت

زط سندھ کے ہندوؤں کا ایک فرقہ تھا جو اسلام قبول کر کے خلیج فارس کے ساحل پر آباد ہو گیا تھا امین اور مامون کی باہمی لڑائی سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے اپنی جتھہ بندی کر لی اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرے کے راستے

مخدوش ہو گئے۔ مامون نے یحییٰ بن معاذ کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا مگر اسے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی، آخر معتصم کے عہد میں ان سب کو پکڑ کر رومی سرحد پر آباد کر دیا گیا۔

اس وقت عالمِ اسلام کی یہ کیفیت تھی کہ یمن اور خراسان پر خلیفہ کی برائے نام حکومت تھی۔ اندلس پر بنو امیہ کا قبضہ تھا۔ ۱۷۳ھ سے مراکش میں ادریسی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ جس کا خلافتِ عباسیہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ٹیونس اور الجیریا کا علاقہ بھی برائے نام عباسیوں کے تحت تھا وہاں ابراہیم بن اغلب اور اس کی اولاد مدت تک برسرِ اقتدار رہی۔

رومیوں سے معرکے

رومی اگرچہ ہارون الرشید سے بہت دبے ہوئے تھے مگر جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان خانہ جنگی میں مصروف ہیں تو انھوں نے پھر پَر پرزے نکالنے شروع کیے اور اسلامی سرحدوں پر حملے کرنے لگے۔

محرم ۲۱۵ھ میں مامون خود رومیوں کے مقابلے پر گیا اور ان کے مشہور قلعہ قرہ کو فتح کر کے مسمار کر

کر دیا۔ اس جنگ میں جو رومی گرفتار ہوئے مامون نے ان کا فدیہ اپنی گرہ سے ادا کر کے ان کو آزاد کر دیا اور زادِ راہ کے لیے ہر رومی کو ایک ایک اشرفی بھی دی۔ عجیف اور جعفر کو فوج دے کر قلعہ سنان کی طرف بھیجا۔ وہاں کے لوگوں نے اطاعت قبول کر کے جزیہ دینے کا وعدہ کیا۔

رومی شورش کو فرو کرنے کے بعد وہ شام کی طرف لوٹا تو قیصر روم نے طرسوس اور مصیصہ پر حملہ کر کے چھ ہزار سے زائد مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے ہلاک کر دیا۔ مامون ایک زبردست لشکر لے کر روم کی طرف بڑھا اور انطیغو پر قبضہ کر لیا اور اپنے بھائی معتصم کو فوج دے کر آگے روانہ کیا۔ معتصم شیر کی طرح دھاڑتا ہوا رومی علاقوں میں گھس گیا اور یکے بعد دیگرے تیس قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ یحییٰ بن اکثم جو بڑے فقیہ تھے، ایک فوج لے کر طوانہ کی طرف بڑھے۔ انھوں نے قلعہ کو فتح کر کے مسمار کر دیا۔

۲۱۶ھ میں مامون نے دمشق کا دورہ کیا۔ مصر میں کچھ بد امنی تھی اس کو دور کیا۔ اس سے فارغ ہو کر ایک بار اس نے پھر روم پر چڑھائی کر کے کئی قلعوں

کو فتح کر لیا۔ اس نے عجیف کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود واپس چل دیا۔ قیصر روم نے یہ دیکھ کر کہ مامون واپس جا رہا ہے۔ عجیف پر فوج کشی کر دی۔ مامون کو پتہ چلا تو راستے ہی سے واپس لوٹا۔ قیصر کو معلوم ہوا کہ مامون پھر آرہا ہے تو بغیر لڑے اپنی فوجوں کو واپس لے گیا۔

طوانہ کا شہر جو کھنڈر ہو چکا تھا اس کو دوبارہ بنانے اور آباد کرنے کے کام پر اپنے بیٹے عباس کو مقرر کیا، جس نے ایک مربع میل میں اس شہر کو بنایا اور مختلف لڑاکا قوموں کو وہاں آباد کیا۔

۲۱۸ھ میں مامون نے چوتھی بار پھر روم پر چڑھائی کی بدندون پہنچ کر بیمار ہو گیا۔ ۱۸ رجب کو انتقال کیا اور طرسوس میں دفن ہوا۔ مامون نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے عباس کی جگہ اپنے بھائی معتصم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ امویوں اور عباسیوں میں ولی عہدی کی یہ پہلی مثال ہے۔

وزرائے مامون

مامون کا پہلا وزیر فضل بن سہل تھا جو مجوسی النسل

تھا۔ علم نجوم، فصاحت و بلاغت، فیاضی اور سیاستدانی میں اس کو کمال حاصل تھا۔ ابتدا میں مامون کا کاتب تھا۔ اس نے محض ذاتی اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے طاہر اور ہرثمہ سے نامناسب سلوک کیا اور مامون کو ملکی حالات سے بے خبر رکھا آخر سرخس کے حمام میں قتل کر دیا گیا۔

فضل کے قتل کے بعد اس کا بھائی حسن وزارت پر فائز ہوا اور مامون نے اس کی لڑکی پوران سے بڑی شان و شوکت اور تزک و احتشام سے شادی کر لی۔ حسن و جمال اور علم و فضل میں پوران کا شمار نامور خواتین میں ہوتا ہے۔ آخر میں حسن پاگل ہو کر مر گیا۔

حسن کے بعد احمد بن خالد وزارت پر متمکن ہوا۔ یہ شخص بڑا نیک، امور جہانبانی کا ماہر عقل مند اور بہترین انشا پرداز تھا۔ اس نے ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

احمد بن خالد کے بعد ابن یوسف وزیر بنا۔ یہ ادب و شاعری اور علم و فضل میں ممتاز مقام رکھتا تھا۔ محمد بن خلیل نے مامون کو اس سے برگشتہ کر دیا۔ اور اس کو معزول کر کے کوڑوں سے پٹوایا۔ چند روز کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

ابن یوسف کی معزولی کے بعد یحییٰ بن ثابت وزیر بنا۔ حساب و کتاب میں بڑا ماہر تھا لیکن بڑا تند مزاج اور زود رنج انسان تھا۔

اس کے بعد آخری وزیر ابو عبداللہ محمد بن یزداد تھا جو خراسان کا مجوسی النسل تھا۔

اخلاق و عادات

مامون بڑا عالم، فاضل اور ہوشیار بادشاہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی بڑا رحم دل اور منکسر المزاج بھی تھا۔ سامنے آ جانے پر اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا کرتا تھا۔ فضل بن ربیع اور ابراہیم بن مہدی جیسے شخصوں کی خطائیں معاف کر دیں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عفو و درگزر میں مجھے کس قدر خوشی اور لذت محسوس ہوتی ہے تو وہ میرے پاس خطاؤں ہی کے تحفے لائیں۔"

علم و ادب کے اعتبار سے بھی مامون کا مقام بہت بلند ہے۔ علما اور فضلا کا بڑا قدر دان تھا۔ اس کی فیاضیوں کا ہی نتیجہ تھا کہ اس کا دربار ہر قسم کے صاحبانِ کمال کا مرکز بن گیا۔

(مامون کے عہد میں ہر قسم کے علوم و فنون نے بڑی ترقی کی۔ ہند و یونان کی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں ہوئے۔ اور بغداد میں ہر خیال کے لوگ جمع ہونے شروع ہوئے۔ مامون چونکہ غیر مسلم علمار کا بھی قدر دان تھا۔ اس لیے ہر ایک کو آزادئ رائے کا پورا پورا حق تھا۔ اسی آزاد خیالی کا نتیجہ تھا کہ وہ خلق قرآن کا قائل ہو گیا اور علمائے اسلام کو مجبور کیا جانے لگا کہ وہ اس کے ہم خیال ہو جائیں۔ جن لوگوں نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ان کو سخت سزائیں دیں اور بعض علما کو قید کر دیا گیا۔

مامون کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ بحث و مناظرہ میں لوگ اسے سخت سست باتیں بھی کہہ جاتے تھے جنھیں وہ بڑے تحمل اور بردباری سے برداشت کر جاتا تھا اگر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا تو بلا جھجک اس کا اعتراف کر لیتا۔

اس کے زمانے میں عدل و انصاف کا خاص اہتمام تھا۔ عدالت میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک روا نہ رکھا جاتا تھا۔ یہاں تک خود خلیفہ عام آدمی کی حیثیت سے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوتا اور ان کے فیصلوں

کا احترام کرتا۔

فضل بن سہل تک تو اس نے تمام امور سلطنت اس کے سپرد کر رکھے تھے۔ لیکن جب اسے فضل کی کارستانیوں کا علم ہوا تو حکومت کے کاموں میں ذاتی طور پر دلچسپی لینے لگا اور وزرا پر کم اعتبار کرتا تھا۔

ان تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ مامون رنگین مزاج اور شعر و شاعری کا دلدادہ تھا۔ موسیقی سے اسے خاص رغبت تھی۔ رقص و سرود کی محفلوں سے بھی لطف اندوز ہوتا تھا۔

چند واقعات

(ابو محمد یزیدی (مامون کے استاد) کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ ایک خادم نے شکایت کی کہ جب آپ چلے جاتے ہیں تو مامون ملازموں کو مارتا ہے۔ اس پر میں نے اسے سات قمچیاں ماریں جن سے وہ رونے لگا۔ اتنے میں جعفر آ گیا۔ میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اگر مامون نے جعفر سے میری شکایت کر دی تو خدا جانے میرا کیا حشر ہو۔ جعفر کے

چلے جانے کے بعد میں مامون کے پاس گیا۔ اور کہا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ تم اس سزا کا ذکر جعفر سے کرو گے۔ مامون نے کہا جعفر تو کیا میں اپنے باپ سے بھی اس کا ذکر نہیں کروں گا۔ آپ نے میرے فائدے کے لیے ہی تو مجھے سزا دی ہے۔

(ایک مجرم سے مامون نے کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے قتل کر دوں گا۔ مجرم نے کہا نرمی کرنا بھی نصف عفو ہے۔ مامون نے کہا کہ میں قسم کھا چکا ہوں۔ مجرم نے کہا۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ خدا کے سامنے آپ ایک خونی کی حیثیت سے پیش ہونے کی بجائے ایک قسم توڑنے والے کی حیثیت سے پیش ہوں۔ یہ سن کر مامون نے اس کا قصور معاف کر دیا۔)

عبدالسلام بن صلاح کا بیان ہے کہ میں مامون کے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ چراغ گل ہو رہا تھا اور مشعلچی سو رہا تھا۔ مامون خود اٹھا اور چراغ کی بتی درست کر کے لیٹ گیا۔ عبدالسلام کہتے ہیں کہ مجھے مامون نے بتایا کہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ میرے ملازمین مجھے گالیاں دیتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔ میں ان کی باتیں سن کر بھی ان کو معاف کر دیتا

ہوں اور ہرگز یہ ظاہر نہیں ہونے دیتا کہ میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں۔

(یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ ایک رات میں مامون کے کمرے میں سویا۔ رات کو مجھے پیاس لگی تو میں کروٹیں بدلنے لگا۔ مامون نے اس کی وجہ پوچھی تو میں نے کہا کہ پیاس لگی ہے۔ یہاں کوئی ملازم بھی نہیں کہ اس سے پانی طلب کروں۔ یہ سن کر مامون خود اٹھا اور مجھے پانی پلایا۔ میں نے عرض کیا امیرالمومنین! کسی خادم کو بلا لیا ہوتا۔ مامون نے کہا۔ میرے باپ نے اپنے باپ سے اور انھوں نے دادا سے اور انھوں نے عقبہ بن عامر سے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے)

(مامون کی قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ امین اور مامون عبداللہ ابن ادریس کے درسِ حدیث میں شریک ہوتے۔ انھوں نے امین کو مخاطب کر کے سو کے قریب حدیثیں پڑھ دیں۔ جب خاموش ہوتے تو مامون نے کہا اجازت ہو تو ان حدیثوں کو میں سنا دوں۔ چنانچہ اجازت ملنے پر مامون نے تمام حدیثیں بلاکم وکاست

سنا دیں۔ عبداللہ ابن ادریس مامون کی قوت حافظہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

مامون چونکہ خود بڑا صاحب علم خلیفہ تھا اس لیے وہ ہر بات کا جواب موقع اور محل کی مناسبت سے دیتا تھا لیکن خود اس کا اپنا بیان ہے کہ ایک موقع پر اہل کوفہ نے اسے لاجواب کر دیا۔ بات یوں ہوئی کہ کوفہ کے لوگ اپنے عامل کے خلاف شکایت لے کر مامون کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر مامون نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو۔ وہ عامل بڑا عادل ہے۔ اس پر انھوں نے کہا بے شک ہم جھوٹے ہیں اور امیرالمومنین سچے ہیں لیکن اس عامل کے عدل کے لیے ہمارے ہی شہر کو کیوں مخصوص کر لیا گیا ہے اس کو کسی دوسرے شہر میں بھیج دیجیے تاکہ وہاں کے لوگ بھی اس کے عدل و انصاف سے فائدہ اٹھائیں۔ جیسا کہ ہمارا شہر اٹھا رہا ہے۔ اس پر میں نے ان سے کہا جاؤ عامل کو معزول کر دیا گیا ہے۔

عہد مامونی کے چند علمی کارنامے

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے خلیفہ منصور نے

دارالترجمہ قائم کیا اور یونانی کتابوں کے ترجمے کرائے
ممتاز یونانی حکما بقراط اور جالینوس کی کتابوں کے
ترجمے ہوئے۔ کلیلہ و دمنہ کا فارسی زبان سے عربی
میں ترجمہ ہوا۔ اقلیدس کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔
ہارون الرشید نے ترجمہ و تالیف کے شعبہ کا نام
بیت الحکمت رکھا۔

مامون نے اس ادارہ کو بڑی ترقی دی۔ یونان سے
قیصر روم کو لکھ کر بے شمار کتابیں منگوائیں۔ چنانچہ
حکمائے یونان کی تمام کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائیں۔
ان مترجمین میں سے چند ایک کے نام نیچے درج
کیے جاتے ہیں۔

یعقوب بن اسحاق۔ اس نے اپنے علم و فضل اور
نادر تصنیفات کے باعث فیلسوف عرب کا لقب پایا۔

حنین بن اسحاق۔ ایک عیسائی طبیب تھا جو عربی
یونانی اور سریانی زبانوں کا ماہر تھا۔

قسطا۔ ریاضی، ہندسہ، منطق، طب اور نجوم کا
بڑا عالم تھا۔

عمر بن فرخان طبری۔ علم ہیئت اور علم نجوم کا ماہر
تھا۔ اس کے علاوہ قدرت نے اسے فلسفیانہ الجھنوں

کی تشریح کرنے کا خاص ملکہ عطا کر رکھا تھا۔

مامون کے طبیب خاص جبریل نے بھی کئی طبّی کتابوں کے ترجمے کیے۔

اس کے عہد میں علم ہیئت نے بڑی ترقی کی اور اسد بن علی۔ خالد بن عبدالملک اور یحییٰ بن منصور نے شماسیہ کے مقام پر بطلیموس کے طریقے پر رصدگاہ قائم کی۔ جو رصدگاہِ مامونی کے نام سے مشہور ہوئی۔ کرۂ ارض کی پیمائش بھی اسی کے زمانے میں ہوئی ابوالحسن ہیئت دان نے دوربین ایجاد کی جو اس زمانے کے اعتبار سے حیرت انگیز کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

معتصم باللہ

۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ مطابق ۸۳۳ء تا ۸۴۲ء

مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ تخت نشین ہوا جسے وہ اپنی زندگی میں ہی ولی عہد بنا چکا تھا۔ مامون کا بیٹا عباس ایک نامور جرنیل ہونے کی وجہ سے فوج میں بڑا مقبول تھا۔ اس لیے فوج کے سرداروں نے عباس کو خلافت حاصل کرنے پر ابھارا لیکن اس نے معتصم کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس قضیے کو خوش اسلوبی سے ختم کر دیا۔

معتصم اگرچہ پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن شجاعت بہادری اور شہ زوری میں کوئی اس کا مدمقابل نہ تھا۔ تاہم اس نے اپنے باپ اور بھائی کی علمی مجلسیں دیکھی تھیں اس لیے اس کی واقفیت وسیع تھی۔

معتصم کی زندگی کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ اس نے خراسانیوں اور ایرانیوں کا زور توڑنے کے لیے ترکوں کو آگے بڑھایا اور انھیں فوج کے اعلیٰ عہدوں پر مامور کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں ایرانیوں کا زور ٹوٹا وہاں ترکوں کا اقتدار بڑھ گیا اور آہستہ آہستہ وہ حکومت پر اس طرح چھا گئے کہ بعد کے خلفا نہ صرف ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے رہے بلکہ ان کی زندگی اور موت بھی ان کے ہاتھ میں تھی خلیفہ متوکل نے ان کا زور توڑنے کی کوشش کی تو قتل کر دیا گیا۔

مسئلہ خلق قرآن کے سلسلے میں وہ اپنے بھائی مامون سے بھی کئی قدم آگے تھا۔ اس نے ان علما کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں دیں جنھوں نے اس کے عقیدے کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے امام احمد بن حنبلؒ کو محض اس جرم میں کئی بار پٹوایا کہ انھوں نے اس کے عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

بابک خرمی اور زط کا استیصال

مامون الرشید کے عہد میں بابک خرمی کی بغاوت

اور زط فرقہ کے لوگوں کی شورشوں کو نہیں دبایا جا سکا تھا۔ ان کا تذکرہ پہلے آ چکا ہے۔ معتصم نے اپنے ایک سپہ سالار ابو سعید محمد بن یوسف کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ اس نے بڑی دور اندیشی کے ساتھ بابک کے خلاف قدم بڑھایا۔ بابک نے مقابلہ کیا تو پہلی بار اس نے عباسی فوج سے شکست کھائی۔ اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سردار جو محض بابک کے خوف کی وجہ سے اس کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اس سے الگ ہو گئے۔ بابک بھاگ گیا۔

معتصم نے بابک کا کلی استیصال کرنے کے لیے اپنے ترک سپہ سالار افشین حیدر کو بڑے ساز و سامان کے ساتھ بھیجا۔ بابک اس وقت قلعہ بذ میں مقیم تھا۔ افشین حیدر نے بڑے جنگی تدبر کا ثبوت دیتے ہوئے بابک کی ناکہ بندی کر لی اور اپنی فوج کے لیے یہ انتظام کیا کہ اسے رسد اور کمک پہنچنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ ایک طویل جنگ کے بعد بابک اور اس کا بھائی معاویہ گرفتار ہو کر معتصم کی خدمت میں بھیج دیے گئے۔ جہاں انھیں قتل کر دیا گیا۔

معتصم نے اپنے ایک دوسرے سپہ سالار عجیف کو

گروہ زط کی سرکوبی پر مامور کیا۔ سات ماہ کی مسلسل لڑائی کے بعد اس نے اس سارے گروہ کو گرفتار کر لیا جن کی تعداد سترہ ہزار کے قریب تھی۔ معتصم کے حکم سے ان کو رومی سرحد کے قریب آباد کر دیا گیا۔ اور ایک دن رومیوں نے ان پر شب خون مار کر اس سارے گروہ کا خاتمہ کر دیا۔

محمد بن قاسم ۔

آل ابی طالب میں محمد بن قاسم مدینہ منورہ میں اپنا بیشتر وقت زہد و عبادت میں گزارتے تھے بعض خراسانیوں نے انھیں خلافت کے لیے اکسایا تو انھوں نے خراسان پہنچ کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ لیکن عبداللہ ابن طاہر نے انھیں شکست دے کر منتشر کر دیا۔ محمد بن قاسم رُوپوش ہو گئے مگر پھر گرفتار کر کے معتصم کی خدمت میں بھیج دیے گئے۔ اس نے انھیں قید خانے میں قید کر دیا۔ جہاں سے وہ اپنے چند ساتھیوں کی مدد سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر اس کے بعد ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔ زیدیہ کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ یہی امام مہدی ہیں جو قیامت سے پہلے دوبارہ

دنیا پر ظاہر ہوں گے۔

سامرا کی تعمیر

پہلے ذکر آچکا ہے کہ معتصم نے ایرانیوں کا زور توڑنے کے لیے ترکوں کو آگے بڑھایا۔ ایرانیوں نے عربوں کا زور ختم کیا تھا اب ترک ایرانیوں کے مقابلے پر آ گئے۔ یہ لوگ بڑے وحشی، اکھڑ مزاج اور تند خُو تھے۔ جس کی وجہ سے شہر میں آئے دن دنگا و فساد ہوتا رہتا تھا۔ خراسانی بھی ان کو پسند نہ کرتے تھے۔ اس لیے اکثر ان میں جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ معتصم نے سوچا کہ ترک فوج کو کہیں دُور الگ جگہ پر رکھا جائے چنانچہ اس نے بغداد سے کوئی ساٹھ ستر میل شمال کی طرف سامرا کے مقام پر ان کے لیے ایک نیا شہر آباد کیا اور کچھ مدت کے بعد خود بھی وہیں چلا گیا اور بغداد کی بجائے سامرا دارالخلافہ قرار پایا۔

بغاوت طبرستان

بابک خرمی کے خلاف جب افشین حیدر نے

فوج کشی کی تو خلیفہ نے اسے بے دریغ روپیہ دیا اور فتح کے بعد اس کی یہ قدر افزائی ہوئی کہ ہر منزل پر اسے ایک گھوڑا ساز و سامان سے آراستہ اور ایک خلعت زرنگار ملتی گئی اور جب دربار میں پہنچا تو اسے کرسیٔ زرنگار پر بٹھا کر اس کے سر پر تاج رکھا گیا۔ افشین نے رومیوں کے مقابلے میں بھی قابلِ قدر خدمات انجام دی تھیں۔

اس بڑھتے ہوئے اعزاز کو دیکھ کر اس کے دل میں اپنی حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس وقت عبداللہ بن طاہر والیٔ خراسان اور حاکمِ طبرستان مازیار کے تعلقات بہت کشیدہ تھے۔ افشین نے مازیار کو بغاوت پر اکسایا۔ اس کا خیال تھا کہ خلیفہ اس کو اس مہم پر بھیجے گا اور وہ مازیار سے مل کر عبداللہ بن طاہر کا خاتمہ کر کے خراسان کا حاکم بن جائے گا۔ چنانچہ مازیار نے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ عبداللہ بن طاہر نے اس کے خلاف فوج کشی کی۔ دارالخلافہ سے بھی اس کو کمک ملی۔ مگر اس میں افشین کو شرکت کا موقع نہ دیا گیا۔ آخر مازیار گرفتار کر کے خلیفہ کے دربار میں بھیج دیا گیا۔ وہاں اس سے وہ تمام خطوط برآمد ہو

گئے جو افشین اسے لکھتا رہا تھا۔

ان خطوط سے صرف یہی ثابت نہ ہُوا کہ افشین نے بازبار کو بغاوت پر اکسایا بلکہ یہ بھی پتہ چلا کہ افشین ظاہرا طور پر مسلمان ہے لیکن باطن میں پکا مجوسی ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ تھا کہ زہر دے کر خلیفہ کو ہلاک کر دیا جائے۔ اس پر خلیفہ نے ۲۲۶ھ میں اسے قید میں ڈال کر مروا دیا۔

جنگِ رُوم

جس وقت اسلامی فوجیں بابک کی سرکوبی میں مصروف تھیں۔ بابک نے نوفل بن میکائیل قیصر روم کو لکھا کہ اس وقت بڑا اچھا موقع ہے۔ بغداد و سامرا فوجوں سے خالی ہیں۔ اگر اس وقت تم حملہ کرو تو کامیابی نصیب ہو گی۔ بابک کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس پر سے دباؤ کم ہو جائے۔ خط ملنے کے بعد قیصر نے ایک لاکھ فوج تیار کی مگر جس وقت حملہ کیا اس وقت تک بابک کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ تمام لشکر اسلامی رومیوں کے مقابلے پر جمع ہو گیا۔ قیصر نے سرحدی شہر زبطرہ پر حملہ کر کے اس کو

تاخت و تاراج کر دیا اور مسلمان باشندوں کو قتل کر ڈالا۔ پھر ملیطہ کو فتح کر کے وہاں کے مسلمانوں پر شرمناک مظالم ڈھائے۔ جب زبطرہ کی تباہی و بربادی کا حال معتصم کو معلوم ہوا تو اس کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے قسم کھائی کہ جب تک زبطرہ کی بربادی کا بدلہ عموریہ کو تباہ و برباد کر کے نہ لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔ یاد رہے کہ زبطرہ معتصم کی جائے پیدائش تھی اور عموریہ میں قیصر پیدا ہوا تھا۔

جمادی الثانی ۲۲۲ھ میں معتصم ایک لشکر جرار لے کر عموریہ کو فتح کرنے کے لیے نکلا۔ راستے میں وہ فوجیں بھی اس کے ساتھ مل گئیں جو بابک خرمی کی سرکوبی کے بعد واپس لوٹ رہی تھیں۔ انگورہ کے قریب دونوں لشکروں میں خونریز جنگ ہوئی۔ قیصر کو شکست ہوئی اور عیسائی فوج بھاگ گئی۔

اب معتصم عموریہ کی طرف بڑھا۔ قیصر نے ہر ممکن طریقے سے عموریہ کو بچانے کے انتظامات کیے۔ اسلامی لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں سے سنگ باری کرنے لگا۔ جس سے فصیل میں شگاف پڑ گیا۔ اسلامی فوج

شہر میں گھس گئی۔ زبطرہ کا بدلہ لینے کے لیے اسلامی فوج بے چین تھی مگر معتصم نے بڑی عالی ظرفی سے کام لیتے ہوئے فوج کو ظلم و ستم سے روک دیا۔ قیصر بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔

عباس بن مامون کا قتل

معتصم کے سپہ سالاروں عجیف اور افشین میں رقابت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ معتصم افشین کو پسند کرتا تھا۔ اور اس کے مقابلے میں عجیف کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ معتصم کے خلاف منصوبے گانٹھنے لگا۔ اس نے عباس بن مامون کو ورغلایا کہ اگر آپ اس وقت خلیفہ بننے کا خیال ظاہر کرنے تو تمام فوج آپ کے ساتھ تھی۔ آہستہ آہستہ عجیف نے عباس کو بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ لیکن عموریہ کی فتح کے بعد راستہ میں ہی اس سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ چنانچہ عباس اور عجیف کو قید کر دیا گیا عباس کو ایک بورے میں بند کر دیا گیا جس میں وہ دم گھٹ کر مر گیا۔ اسی طرح عجیف کو بھی مروا دیا گیا۔ اور اس سازش میں جو لوگ شریک تھے ان کو بھی

قتل کردیا گیا۔ یہی نہیں ہارون الرشید کی باقی اولاد کو بھی گرفتار کر کے ایک مکان میں قید کردیا گیا جہاں وہ سب مر گئے۔

اوپر جن جنگوں اور بغاوتوں کا ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ آذربائیجان، موصل، آرمینیا اور فلسطین میں بھی شورشیں برپا ہوئیں مگر ان سب پر قابو پا لیا گیا۔

وفات

اندرونی جھگڑوں اور تصفیوں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد معتصم نے اندلس پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن اسی دوران میں چند روز بیمار رہ کر ۲۰ ربیع الاول ۲۲۷ ہجری کو انتقال کیا اور بنو امیہ کے ساتھ پنجہ آزمائی کی حسرت دل میں لے کر اگلے جہان کو سدھارا۔ سامرا میں دفن ہوا اور اس کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ تخت نشین ہوا۔

خصوصیات

* معتصم کو جنگ و پیکار اور فتوحات کا بڑا شوق تھا

اس نے اپنے زمانے میں خوب فتوحات حاصل کیں۔ قیصر روم پر ایسی کاری ضرب لگائی جس کی مثال نہیں ملتی۔ ترکی غلاموں کے خریدنے کا بڑا شوقین تھا۔ سامرا کو دارالحکومت بنا کر وہاں عالیشان عمارتیں بنوائیں۔ مسئلہ خلق قرآن کے خبط میں علما کو بڑی اذیتیں دیں۔ اگر اس میں یہ نقص نہ ہوتا تو خاندان عباسیہ کا بہت بڑا خلیفہ کہلاتا۔ اس کے زمانے میں خلافتِ عباسیہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی تھی۔

وزارت

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح معتصم خود علم سے کورا تھا۔ اس کے وزیر بھی ویسے ہی علم و فضل سے کورے تھے۔ اس کا پہلا وزیر فضل بن مروان تھا۔ نا اہل ہونے کے باوجود معتصم پر اس کا بڑا اثر تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذہن میں غرور و تکبر نے اس قدر جگہ پائی کہ بعض اوقات وہ خلیفہ کے حکم کی بھی پروا نہ کرتا تھا۔ معتصم نے اسے معزول کر کے ایک گاؤں میں نظر بند کر دیا۔

اس کے بعد دوسرا وزیر احمد بن عمار مقرر ہوا۔

اس کو بھی علم و فضل سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ تھوڑی مدّت کے بعد اس کو بھی معزول کر دیا گیا۔ اب مسندِ وزارت ابن زیات کے سپرد ہوئی جو واثق باللہ کے عہد میں بھی وزیر رہا۔

ترک جرنیل

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ معتصم نے ترکوں کو بکثرت فوج میں بھرتی کیا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیے۔ ترکی فوج کا لباس بھی دوسری فوج سے بڑھیا تھا۔ ان کی پیٹیاں سنہری تھیں۔

اس سے پہلے افشین حیدر کا ذکر آ چکا ہے کہ اس کے ناپاک ارادوں کو جان کر خلیفہ نے اسے مروا دیا تھا۔ ایناخ نے اپنی زندگی ایک باورچی سے شروع کی تھی مگر اپنی خداداد ذہانت اور شجاعت سے فوج کا سپہ سالار بن گیا۔ معتصم کو اس پر بڑا اعتماد تھا واثق کے زمانے میں بھی امورِ سلطنت اس کے ہاتھ میں رہے۔ متوکل نے اسے قتل کرا دیا۔ اشناس معتصم کا زر خرید غلام تھا۔ لیکن رومیوں کے خلاف اس نے جس جرأت و بہادری کا ثبوت دیا اس پر خلیفہ

نے خوش ہو کر اسے فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔
اس نے اس قدر اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ خلیفہ
کے ساتھ تخت پر بیٹھا کرتا تھا۔ ۲۳۰ ہجری میں
فوت ہوا۔

واثق باللہ

۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۲ء تا ۸۴۷ء

واثق اپنے باپ کے برعکس علم و فضل کا بڑا دلدادہ تھا۔ بہت بڑا شاعر اور ادیب تھا۔ عربی ادب میں وہ مامون سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اس نے مامون کی علمی مجلسیں دیکھی تھیں۔ شاعروں اور ادیبوں کو انعام و اکرام سے نوازتا۔ لیکن خلق قرآن کا خبط اسے وراثتاً ملا تھا۔ اس نے اس عقیدے سے انکار کرنے والے علما کو سزائیں دیں اور قتل کیا۔ لیکن ایک موقع پر قاضی احمد بن ابی داؤد جو خلق قرآن کا قائل تھا اور واثق کے دربار میں اس کا مرتبہ وزیرِ اعظم کے برابر تھا۔ اس کا ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد ازدی کے ساتھ اس مسئلہ پر مباحثہ ہوا تو ابو عبدالرحمٰن نے قاضی احمد کو لاجواب کر دیا۔ اس بحث کا یہ اثر

ہوا کہ اس نے عقیدہ خلقِ قرآن کو تو ختم نہ کیا۔ مگر ظلم و ستم سے ایک حد تک باز آ گیا۔

ابو حرب کی بغاوت

معتصم کی زندگی میں ہی ایک شخص ابو حرب یمانی نے جو اپنے آپ کو بنی امیہ کے خاندان سے بتاتا تھا۔ ایک لاکھ آدمی جمع کر کے فلسطین میں بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا تھا۔ معتصم نے رجاء بن ایوب کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ لیکن رجاء ابھی کسی اچھے وقت کا منتظر تھا کہ معتصم نے وفات پائی خلیفہ کی موت کی خبر سن کر اہل دمشق باغی ہو گئے۔

واثق کے حکم پر رجاء نے پہلے دمشق پر حملہ کیا اور خونریز جنگ کے بعد رجاء نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے ابو حرب کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔

اشناس جو ایک ترکی غلام تھا۔ واثق نے اس کو اپنا نائب السلطنت بنا لیا۔ عبدالملک بن زیات وزیر اعظم تھا۔ لیکن اشناس اپنے آپ کو خلیفہ سے کم نہ سمجھتا تھا۔

واثق باللہ کا زیادہ تر وقت علماء کی مجلسوں میں گزرتا تھا۔ ان اہل علم میں زیادہ تر عرب تھے۔ انھوں نے آہستہ آہستہ واثق کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ عربوں کے وقار کو گھٹا کر ترکوں اور خراسانیوں کی طاقت کو بڑھایا جا رہا ہے۔ اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے۔ اب واثق باللہ کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے اشناس کے اختیارات محدود کر دیے اور ترکی اور خراسانی افسروں کی نگرانی کی جانے لگی۔

احمد بن نصر کی بغاوت

احمد بن نصر جن کا شمار محدثین میں ہوتا ہے۔ وہ مسئلہ خلق قرآن کے خلاف تھے اور علما پر جو ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے۔ لوگ اس سے بھی عباسیوں کے مخالف ہو گئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے احمد بن نصر کے ہاتھ پر بیعت کر کے بغاوت کر دی۔ لیکن یہ جلد ہی گرفتار کر لیے گئے۔ واثق نے انھیں اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور ان کا جسم اور سر جدا جدا دروازوں پر لٹکا دیے۔

واثق کے عہد میں رومی اور مسلمان قیدیوں کا تبادلہ

عمل میں آیا۔ ہارون الرشید کے زمانے میں دو مرتبہ عیسائی
اور مسلمان قیدیوں کا تبادلہ ہو چکا تھا۔

وفات

واثق باللہ مرض استسقا میں مبتلا تھا جس سے سارے
جسم پر ورم آ گیا اور اس نے ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں
پانچ برس نو ماہ حکومت کر کے وفات پائی
واثق بہت مستقل مزاج اور حلیم و بردبار تھا مگر
مسئلہ خلق قرآن کے سلسلے میں اس سے بہت زیادتیاں
ہوئیں۔ آخری عمر میں یہ خبط دور ہو گیا تھا۔

متوکّل علی اللہ

۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ مطابق ۸۴۷ء تا ۸۶۱ء

واثق نے اپنی زندگی میں کسی کو اپنا ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا۔ ابنِ زیات وزیرِ اعظم کی خواہش تھی کہ اس کے نو عمر بیٹے محمد کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ لیکن بیشتر امرا نے اس کی مخالفت کی اور واثق کے بھائی متوکل کے ہاتھ پر ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں بیعت کر کے اس کی خلافت کا اعلان کر دیا۔

متوکل عیش و عشرت کا دلدادہ اور طرب و نشاط کا رسیا تھا۔ اس کے دربار میں بھانڈوں اور مسخروں کا جمگھٹا رہتا۔ سامرا سے چند میل کے فاصلے پر اس نے ایک محل تعمیر کرایا جو اپنی ساخت اور خوب صورتی کے اعتبار سے اپنی نظیر نہ رکھتا تھا اس محل کا نام قصر لؤلؤ رکھا گیا۔

اس کا عہد خوش حالی اور فارغ البالی کا دور تھا ضروریات زندگی کی فراوانی تھی جس کے باعث سبھی خوش و خرم تھے۔

متوکل کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ خلق قرآن اور صفات باری تعالیٰ کے سلسلے میں جو بحث و مناظرے ہوا کرتے تھے اس نے ان کو حکماً بند کرا دیا اور یہ عقیدہ نہ رکھنے کی پاداش میں جو لوگ قید و بند کی سختیاں برداشت کر رہے تھے ان کو رہا کر کے ان کے نقصانات کی تلافی کر دی۔ متوکل کے اس اقدام سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔

ابن زیات کی معزولی اور موت

ابن زیات متوکل کے عہد میں صرف ایک مہینا وزیر اعظم رہا۔ اس کے بعد معزول و معتوب ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ واثق کے زمانے میں ابن زیات متوکل کے ساتھ بڑی بے رخی اور بے اعتنائی سے پیش آتا تھا اور واثق کے پاس اس کی شکایتیں کر کے کئی دفعہ اسے دربار میں ذلیل کر چکا تھا۔ جانشینی کے بارے میں بھی اس نے واثق کے بیٹے محمد کی حمایت

کی تھی۔ ان وجوہ کی بنا پر متوکل اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ چنانچہ صفر ۲۳۲ھ میں اس کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا گیا اور اس کی جائداد و املاک بھی ضبط کر لی گئی۔ قید خانے میں ہی اس کی موت واقع ہوئی۔

ایتاخ کی گرفتاری

ایتاخ ایک ترک تھا۔ معتصم کے زمانہ خلافت میں اس کو بڑا عروج حاصل تھا۔ معتصم کو اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ مخالفینِ سلطنت جو گرفتار ہو کر آتے تھے اسی کی تحویل میں رہتے تھے۔ سپہ سالاری کے علاوہ دارالخلافہ کی امارت اور حجابت پر بھی یہی قابض تھا سامرا میں چونکہ ترک فوج موجود تھی اس لیے وہاں اسے ٹھکانے لگانا بڑا مشکل کام تھا۔ آخر اسے حج پر جانے کے لیے آمادہ کیا گیا۔ واپسی پر جب بغداد میں پہنچا تو کوتوال شہر اسحاق بن ابراہیم نے اس کو مع اس کے دونوں بیٹوں کے گرفتار کر لیا۔ قیدخانے میں اس کو اس قدر اذیتیں دی گئیں کہ اس کی موت واقع ہو گئی۔

آرمینیا کی بغاوت

آرمینیا کے پادریوں نے بغاوت کر کے وہاں کے حاکم یوسف بن محمد اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ یہ خبر سن کر متوکل نے بغا کبیر کو ان کو قرار واقعی سزا دینے کے لیے روانہ کیا۔ بغا موصل اور جزیرہ سے ہوتا ہوا ارزن میں جا پہنچا اور عیسائیوں کو عبرتناک شکست دی۔ تیس ہزار عیسائی اس لڑائی میں مارے گئے اور کثیر التعداد گرفتار ہوئے۔

مصر پر رومی حملہ

۲۳۸ھ میں عتبہ بن اسحاق والئ مصر نے کسی ضرورت کے تحت دمیاط کی ساحلی فوج کو واپس بلا لیا۔ رومیوں نے میدان خالی دیکھا تو ایک سو جہازوں کے ساتھ دمیاط پر حملہ کر کے شہر کو بری طرح لوٹا۔ جامع مسجد کو آگ لگا دی اور مال و اسباب کے علاوہ بے شمار مسلمانوں کو قید کر کے ٹیونس لے گئے۔

اس کے جواب میں علی بن یحیٰی ارمنی نے روم پر حملہ کر کے بہت سے عیسائیوں کو پکڑ لیا۔ اس

پر قیدیوں کے تبادلہ کا فیصلہ ہُوا چنانچہ نہر لامس پر ان قیدیوں کا تبادلہ ہُوا۔

رومی ہمیشہ بدعہدی کرتے تھے۔ جب اسلامی لشکر واپس لوٹتا یہ اسلامی علاقوں میں لوٹ مار مچا دیتے ۲۴۴ھ میں خلیفہ دارالخلافہ چھوڑ کر دمشق میں چلا آیا۔ اور بغا کبیر کو ایک زبردست لشکر دے کر روم پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ بغا کبیر نے بہت سے قلعے فتح کر کے رومیوں کو بے دریغ قتل کیا۔ لیکن اس کے بعد بھی ان کی شرارتیں جاری رہیں۔ آخر متوکل نے حکم دیا کہ خشکی اور تری ہر راستے سے بلادِ روم پر حملہ کر کے رومیوں کو ان کی بدعہدی کی سزا دی جائے۔ اسلامی فوجوں نے ارض روم میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ رومیوں نے صلح کی درخواست کی جس کو مسلمانوں نے بخوشی قبول کر لیا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ متوکل ۲۴۴ھ میں دمشق چلا گیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ سرکاری دفاتر بھی لے گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ترکوں کے بڑھتے ہُوئے اقتدار سے سخت بیزار تھا۔ لیکن کچھ مدت دمشق میں

قیام کرنے کے بعد واپس سامرا آ گیا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ ترک کہیں بغاوت ہی نہ کر دیں۔ اور بہانہ یہ کیا کہ وہاں کی مرطوب آب و ہوا اسے راس نہیں آئی۔

اہل بیت پر مظالم

متوکّل علویوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے لڑکے کے استاد کو اس جرم میں ہلاک کر دیا کہ اس نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا تھا۔ کسی علوی کی طرف سے ذرہ بھر بھی مخالفت کا شبہ ہوتا تو اس کو قید کر لیا جاتا۔ چنانچہ امام علی ہادی کو ساری عمر اپنی نگرانی میں سامرا میں رکھا۔

متوکّل کا قتل

متوکل نے اپنے تینوں بیٹوں منتصر، معتز اور معتمد کو علی الترتیب ولی عہد نامزد کر کے اپنی سلطنت کو ان تینوں میں بانٹ دیا۔ معتز کی ماں کا متوکل پر بڑا اثر تھا۔ اس نے خلیفہ کو مجبور کیا کہ منتصر کی بجائے اس کے بیٹے معتز کو ولی عہد اول بنائے۔ بعض

مورخین کا خیال ہے کہ منتصر اور متوکل کے عقیدوں میں بھی بڑا فرق تھا۔ منتصر پر شیعیت کا اثر تھا اور معتزلہ کا ہم عقیدہ تھا۔ جب متوکل نے یہ کوشش کی کہ منتصر کی بجائے معتز کو ولی عہد اول بنایا جائے تو وہ باپ کے خلاف ہو کر ترک افسروں کے ساتھ سازباز کرنے لگا۔

ترک سردار پہلے ہی متوکل کے خلاف تھے اور انھیں اندیشہ تھا کہ کہیں ان کا حشر بھی ایتاخ ایسا نہ ہو اس لیے انھوں نے منتصر کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ متوکل نے اپنے معتمد خاص فتح بن خاقان کے مشورے سے منتصر اور دو ممتاز ترکی سرداروں بغا اور وصیف کے خاتمہ کا پروگرام بنایا۔ لیکن اس سازش کا قبل از وقت پتہ چل گیا۔ اس پر بغا نے ۴ شوال ۲۴۷ھ کو قصر خلافت میں گھس کر متوکل کا کام تمام کر دیا۔

متوکل کی سیرت

معتصم اور واثق کے زمانے میں مساجد میں کسی کو درس حدیث دینے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ متوکل نے حکم دیا کہ بلا روک درس حدیث ہوا کرے۔ ۲۳۴ھ میں

میں سامرا میں محدثین کو جمع کیا اور ان کی بے حد عزت و تکریم کی۔ متوکل قبر پرستی کے سخت خلاف تھا۔ حضرت امام حسین السلام کے مزار پر جو مشرکانہ رسومات ہوتی تھیں ان کو بند کر دیا۔ بڑا سخی تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے شعرا کو انعام و اکرام سے اس قدر نوازا کہ کوئی خلیفہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

خود مختار خاندانوں کی ابتدا

متوکل کے قتل سے عباسی خلافت کے زوال کا دور شروع ہوتا ہے۔ فوج ترکوں کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ کا بنانا یا ہٹانا ان کے ہاتھ میں تھا ولی عہدی اور نامزدگی کا اب کوئی سوال ہی نہ تھا۔ خلافت اب برائے نام تھی۔

مرکز کی اس کمزوری کو دیکھ کر مقامی حاکموں نے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ طبرستان اور دیلم کے کوہستانی علاقہ میں ایک شخص حسن بن زید نے علوی حکومت کی بنیاد رکھی۔ یعقوب بن لیث اور عمرو بن لیث نے سیستان میں صفاری حکومت قائم کی۔ ماوراالنہر میں سامانیوں نے اپنی خود مختار سلطنت قائم

کرلی۔ اور عمرو بن لیث کا خاتمہ کر کے فارس تک اپنی حدودِ سلطنت کو وسعت دی۔ مصر میں ایک ترکی غلام احمد بن طولان نے طولانی حکومت کی بنیاد رکھی۔

سلطنت کے اس طرح پارہ پارہ ہو جانے سے بنی عباسیوں کی سیاسی عظمت اور مسلمانوں کی یک جہتی ختم ہو گئی۔ لیکن اس انتشار کے باوجود مسلمانوں کی علمی معاشری اور تمدنی ترقی جاری رہی اور اہل کمال کے لیے کئی مراکز بن گئے۔ ہر شعبۂ حیات میں ترقی ہونے لگی اور اہل ملک کو بھی اپنی صنعتوں کے فروغ دینے کے مواقعے میسر آئے۔

مُنتصر باللہ

(عہدِ حکومت صرف چھ ماہ)

متوکل کے قتل کے بعد منتصر تخت نشین ہُوا۔ اس نے احمد بن خصیب کو اپنا وزیر اور لغا کبیر کو سپہ سالار مقرر کیا۔ منتصر عقل مند بھی تھا اور بہادر بھی۔ اسے اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ جن ترکوں نے اسے تخت نشین کیا وہی اسے علیحدہ بھی کر سکتے ہیں۔ تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی اس نے ترکوں کا زور توڑنے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ ترکوں کو اندیشہ تھا کہ وہ اپنے ارادے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا لہٰذا انھوں نے اس کے طبیبِ خاص کو رشوت دے کر اس پر راضی کر لیا کہ موقع ملنے پر زہر آلود نشتر سے اس کا فصد کھولے چنانچہ چھ ماہ سے بھی کم مدت خلافت کر کے ۵ ربیع الآخر ۲۴۸ھ کو فوت ہُوا۔

منتصر نے اپنے مختصر زمانۂ خلافت میں شیعوں پر بہت احسانات کیے۔ علویوں کو ہر قسم کی آزادی دے دی۔ لوگوں کو حضرت امام حسینؑ کے روضے پر جانے کی اجازت مل گئی۔

مُستعین باللہ

۲۴۸ھ تا ۲۵۲ھ مطابق ۸۶۲ء تا ۸۶۶ء

منتصر کی وفات کے بعد متوکل کے بیٹے معتز اور مؤید موجود تھے۔ چونکہ ترکوں نے ان کو ولی عہدی سے معزول کرایا تھا اس لیے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان میں سے کوئی خلیفہ ہو۔ لہٰذا انھوں نے معتصم باللہ کے بیٹے احمد کو مستعین باللہ کا لقب دے کر ۶ ربیع الآخر ۲۴۸ھ کو تخت نشین کرایا۔ محمد بن عبداللہ بن طاہر جو اس وقت بغداد میں موجود تھا اس نے معتز کی خلافت کا مطالبہ کیا۔ جس کے باعث دونوں فریقوں میں لڑائی ہو گئی اور کئی آدمی مارے گئے۔ بعد میں محمد بن عبداللہ نے بھی بیعت کر لی۔

۲۴۹ھ میں رومیوں نے مسلمان علاقوں پر حملے کرنے شروع کر دیے۔ ان کا مقابلہ کرتے ہوئے عمر بن

عبداللہ اور علی بن یحییٰ دو مسلمان سپہ سالار اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ بغداد میں جب یہ خبر پہنچی تو کہرام مچ گیا اور عوام میں ترکوں کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا کہ یہ سیاسی جوڑ توڑ اور شرفا کو ذلیل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جہاد کے لیے باہر نہیں جاتے۔

اس پر عوام میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ انھیں خود جہاد کے لیے جانا چاہیئے۔ چنانچہ مسلمانوں کا ایک جم غفیر بغداد سے سامرا پہنچا۔ جس سے شہر میں شورش پیدا ہو گئی۔ بلوائیوں نے قید خانے کے دروازے توڑ کر قیدیوں کو آزاد کرا لیا۔ ترک فوجوں نے ان میں سے بے شمار لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور اس طرح یہ لوگ خاموش ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔

مستعین کا قتل

مستعین باللہ سامرا میں بالکل ترکوں کے قبضہ میں تھا۔ اس کے وزیر ابو صالح عبداللہ اور بغا صغیر کے درمیان ناچاقی ہو گئی جس سے ابو صالح بغداد

چلا گیا اور محمد بن فضل جرجانی وزیر مقرر ہوا اور کچھ عرصہ بعد دلیل بن یعقوب نصرانی وزیر بنا۔ دلیل اور ایک ترک باغر میں کچھ رنجش ہوگئی تو وصیف اور بغا صغیر نے باغر کو قصور وار ٹھہرایا۔ خلیفہ نے اس کو قید کر دیا۔ اس پر ترکوں نے شورش برپا کر دی۔ بغا صغیر نے باغر کو جیل ہی میں قتل کر دیا۔ اس پر سامرا میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔

خلیفہ مستعین اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغداد بھاگ آیا۔ ترک سرداروں نے اس کے پاس آ کر اپنی غلطیوں کی معافی مانگی اور سامرا چلنے کو کہا۔ لیکن خلیفہ نے سامرا جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر انھوں نے معتز بن متوکل کو قید خانے سے نکال کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک وقت میں مملکت کے دو خلیفہ تھے۔ ایک بغداد میں دوسرا سامرا میں۔ جس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ عمال حکومت بھی دو حصوں میں بٹ گئے۔ دونوں خلیفوں کے مابین گیارہ ماہ تک معرکۂ کارزار گرم رہا۔ آخر ماہ ذیقعد ۲۵۱ھ میں محمد بن عبداللہ بن طاہر نے ترکوں پر جو بغداد کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اس شدت کا حملہ کیا

کہ وہ شکست کھا کر بھاگے۔ بغا اور وصیف نے جب
دیکھا کہ ترکوں کو شکست ہو رہی ہے تو ان کی قومی
عصبیت جوش میں آگئی اور وہ ترکوں کے ساتھ مل گئے
اور انھوں نے پھر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ ۶ محرم ۲۵۲ھ
کو مستعین نے اپنی دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ مستعین کو
گرفتار کر کے واسط میں نظر بند کر دیا اور بعد میں
۳ شوال ۲۵۲ کو قتل کر دیا گیا۔

معتز باللہ

۲۵۲ھ تا ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۶ء تا ۸۶۹ء

معتز ۲۵۱ھ میں سامرا میں خلیفہ بنایا گیا۔ ۲۵۲ھ میں مستعین کی دستبرداری کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر انیس سال تھی۔ یہ بھی ترکوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ بغداد کی پولیس کا حاکم اعلیٰ محمد بن عبداللہ بن طاہر تھا۔ بغداد میں جو لشکر موجود تھا وہ بھی عراقیوں اور خراسانیوں پر مشتمل تھا۔ اس نے بر سر اقتدار آتے ہی اپنے بھائی مؤید کو قتل کرا دیا۔ بغداد کے لشکر اور پولیس کو ایک مدت سے تنخواہ نہ ملی تھی جس پر انھوں نے بغاوت کر دی۔ جسے بڑی مشکل سے محمد بن عبداللہ نے فرو کیا۔ ایک مدت تک ترکوں اور عربوں میں خانہ جنگی رہی۔ اس اندرونی فتنہ و فساد کا نتیجہ یہ ہوا کہ

خلافت کا رعب اُٹھ گیا اور صوبیدار اپنے آپ کو خود مختار سمجھنے لگے۔ خارجیوں اور علویوں نے بھی ہنگامے برپا کرنے شروع کر دیے۔

خزانہ خالی پڑا تھا۔ ۲۵۳ھ میں ترکوں نے تنخواہ نہ ملنے پر شورش برپا کر دی اور وصیف کو قتل کر دیا۔ بغا صغیر نے خلیفہ کو ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا مگر بایکیال کے آدمیوں نے بغا صغیر کا خاتمہ کر دیا۔

اس سال محمد بن عبداللہ بن طاہر نے وفات پائی۔ اور خراسان کی گورنری کے لیے اپنے بیٹے عبیداللہ کو نامزد کیا۔

بایکیال ایک ترک سردار تھا۔ معتز نے اسے مصر کا گورنر بنا دیا۔ اس نے اپنی طرف سے ایک ترک احمد بن طولون کو اپنا نائب الحکومت بنا کر مصر بھیج دیا۔ احمد نے مصر پہنچ کر انتظام حکومت کو بحال کیا اور پھر اس کی اولاد ہی مدت تک مصر پر حاکم رہی۔ اور اس کا بغداد سے حقیقتاً کوئی تعلق نہ تھا۔

یعقوب بن لیث صفار

خلافت کے کمزور ہو جانے سے ہر طرف سے بغاوتیں

پیدا ہونے لگیں۔ ایک شخص صالح بن نصر کنعانی نے اہل بیت کی حمایت میں بغاوت کر دی اور سجستان پر حملہ کر کے وہاں سے خاندان طاہریہ کو نکال دیا۔ اس کے بعد صالح کا انتقال ہو گیا اور صالح کی جماعت نے یعقوب بن لیث کو اپنا امیر مقرر کر لیا۔ یعقوب نے سجستان پر اپنا قبضہ کر لینے کے بعد ہرات پر بھی قبضہ کر لیا اور آہستہ آہستہ خراسان پر بھی اپنا قبضہ جما لیا اور اپنی مستقل حکومت قائم کر لی۔ یہ حکومت مدت تک قائم رہی اور دولت صفاریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

معتز باللہ کی معزولی اور موت

خزانہ خالی تھا۔ فوج تنخواہ مانگ رہی تھی۔ معتز نے اپنی ماں سے روپیہ مانگا مگر اس نے انکار کر دیا۔ تنگ آ کر ترک فوجی قصر خلافت میں گھس آئے اور خلیفہ کو ٹانگ سے گھسیٹ کر باہر لے آئے۔ اس کو زد و کوب کیا گالیاں دیں اور معزول کر کے ایک تہ خانہ میں بند کر دیا۔ اس نے وہیں ۸ رشعبان ۲۵۵ھ کو انتقال کیا۔ اس کے بعد محمد بن واثق کو مہتدی کا لقب دے کر خلیفہ بنایا گیا۔

مہتدی باللہ

۲۵۵ھ تا ۲۵۶ھ مطابق ۸۶۹ء تا ۸۷۰ء

جب مہتدی خلیفہ ہُوا تو حالات انتہائی خراب تھے خزانے میں پھوٹی کوڑی تک نہ تھی۔ معتز کی ماں کے پاس جس قدر دولت تھی لے کر سامرا میں جا چھپی۔ اور مہتدی کے زمانے میں ظاہر ہوئی۔ مہتدی نے اس کی ساری دولت چھین لی اور فوج کو تنخواہیں دیں۔ مہتدی بڑا نیک، عابد، زاہد، عادل اور بہادر شخص تھا۔ جب تک برسرِ اقتدار رہا روزے رکھتا رہا۔ اس کی خواہش تھی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور کو ایک بار پھر زندہ کیا جائے۔

اس نے لہو و لعب کو سختی سے منع کر دیا۔ گانے بجانے کو حرام قرار دیا۔ دفتری معاملات میں سختی سے کام لیتا تھا۔ دربارِ عام میں مقدمات کے فیصلے

کرتا۔ سامرا سے تمام لونڈیوں اور مغنیوں کو نکلوا دیا۔ محل شاہی میں جس قدر درندے اور کتے پالے ہوئے تھے ان سب کو مروا دیا۔ قلمدان وزارت اگرچہ سلیمان بن وہب کے ہاتھ میں تھا مگر عملاً تمام حکومت پر صالح بن وصیف کا قبضہ تھا۔

جس وقت معتز کو معزول کر کے مہتدی کو خلیفہ بنایا گیا موسیٰ بن بغا رے میں تھا اس کو جب معلوم ہوا تو وہ معتز کے خون کا بدلہ لینے کے لیے دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی آمد کی خبر سن کر صالح روپوش ہو گیا۔

موسیٰ بن بغا کو شبہ تھا کہ صالح کو مہتدی نے چھپا رکھا ہے یا وہ اس کی جائے پناہ سے واقف ہے چنانچہ ترک سرداروں نے خلیفہ کو معزول یا قتل کر دینے کے لیے مجلس مشاورت بلائی۔ خلیفہ کو بھی اس کا پتہ چل گیا۔ اگلے دن وہ مسلح ہو کر دربار میں آیا اور ترک سرداروں کو مخاطب ہو کر کہا مجھے تمہاری نیتوں کا حال معلوم ہو گیا ہے جب تک میرے دم میں دم ہے میں تم سے بہتوں کو قتل کرنے کے بعد ہی جان دوں گا۔ اس پر ترک سردار خاموش ہو گئے۔ آخر

صالح پکڑا گیا اور موسیٰ نے اس کا سر کاٹ کر اور نیزہ پر چڑھا کر شہر میں اس کی تشہیر کرائی۔ جس سے مہتدی کو بہت بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے بایکبال کو لکھا کہ موقع پا کر موسیٰ کو قتل کر دو۔ بایکبال نے یہ خط موسیٰ کے سپرد کر دیا۔ اس پر موسیٰ نے قصر خلافت پر حملہ کر دیا۔ دونوں فوجوں میں زبردست لڑائی ہوئی جس میں خلیفہ کو شکست ہوئی اور ۱۴ ار رجب ۲۵۶ھ کو اسے ہلاک کر دیا گیا۔ مہتدی باللہ نے پندرہ دن کم ایک سال حکومت کی۔ اس کے بعد ترکوں نے متوکل کے بیٹے احمد کو معتمد باللہ کا خطاب دے کر تخت نشین کر دیا۔

معتمد علی اللہ

۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ مطابق ۸۷۰ء ۸۹۲ء

معتمد علی اللہ نے پہلا کام یہ کیا کہ سامرا کو چھوڑ کر بغداد آ گیا اور اس کو دارالخلافہ بنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترک سردار جو خلافت خلیفہ پر ہر وقت مسلط رہتے تھے ان کا زور ٹوٹ گیا لیکن اس کے زمانے تک دولت اور حکومت کی طاقتیں کمزور ہو چکی تھیں۔ امرائے سلطنت ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ سلطنت کے ہر حصے میں فتنہ و فساد برپا تھا۔ عوام کے دلوں میں خلیفہ کی کوئی عزت نہ تھی۔ جس سردار کو موقع ملتا وہ کسی نہ کسی علاقے کو دبا لیتا۔ صوبیداروں نے خراج دینا بند کر دیا۔ کوئی مرکزی آئین و قانون نہ تھا۔ جو سردار جس علاقے پر قبضہ کر لیتا وہیں اپنا قانون رائج کر دیتا۔ رعایا پر بڑے ظلم

ہونے لگے۔

بنو سامان نے ماوراءالنہر، بنو صفاریہ نے سجستان، کرمان خراسان اور فارس پر، حسن بن زید نے طبرستان و جرجان پر، زنگیوں نے بصرہ، ایلہ اور واسط پر، خارجیوں نے جزیرہ اور موصل پر، ابن طولون نے مصر و شام پر اور بنو اغلب نے افریقہ پر قبضہ کر کے اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ خلیفہ کی حکومت و سیادت کا یہی نشان تھا کہ خطبۂ جمعہ میں خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ کسی کو خلیفہ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس زمانے میں قرامطہ وغیرہ فتنوں کی بنیاد رکھی گئی اسی زمانے میں عبیداللہ بن عبید نے جو سلاطین مصر اور شیعان یمن کا مورث ہے مہدویت کا دعویٰ کیا اور آہستہ آہستہ مصر و افریقہ میں ایک خود مختار حکومت کی بنیاد رکھی۔

زنگیوں کی بغاوت

علی نامی ایک شخص جو علوی نہ تھا مگر اپنے آپ کو علوی کہتا تھا اس نے بھی اس ہنگامہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ جب اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی

تو بغداد کے زنگی غلاموں کو اپنے ساتھ ملا کر بصرہ کی طرف کوچ کیا اور اعلان کر دیا کہ جو زنگی اس کے ساتھ آملے گا وہ آزاد ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کثیر التعداد زنگی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ انھوں نے قادسیہ کے نواح کو لوٹ کر بصرہ کا رخ کیا اور جاتے ہی بصرہ پر قبضہ کر لیا اور سارے شہر میں آگ لگا دی۔ بغداد سے کئی فوجیں ان کی سرکوبی کو گئیں مگر کسی کو کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر خلیفہ نے اپنے بھائی موفق کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا جس نے ان کو شکست دی لیکن اس شکست کے بعد بھی زنگیوں کا فتنہ فرو نہ ہوا۔ انھوں نے پھر اپنی جمعیت بنا کر ۲۷۰ھ میں بصرہ اور عراق پر قبضہ کر لیا۔

زنگیوں کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ ترک سردار ان کے نام سے کانپتے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑے۔ ان میں سے ایک شخص بہبود نے عالم الغیب ہونے کا دعوٰی کیا۔ یہ رسالت کا بھی مدعی تھا۔ موفق نے اپنے بیٹے ابوالعباس معتضد کو جو بعد میں معتضد باللہ کے لقب سے خلیفہ ہوا زنگیوں کے مقابلے پر بھیجا۔ جس نے زنگیوں کو زبردست شکست دی

اور اس فتنہ کو کلی طور پر دبا دیا گیا۔
ابن طولون کو جو مصر پر قبضہ کیے ہوئے تھا جب والئ شام کی موت کی اطلاع ملی تو شام پر حملہ کر دیا۔ والئ شام کے بیٹے نے جو باپ کے بعد جانشین تھا ابن طولون کی اطاعت کر لی۔ اس طرح شام کا علاقہ بھی طولونی حکومت کے تحت آ گیا۔

یعقوب بن لیث صفاری

یعقوب بن لیث کی طاقت بہت بڑھ چکی تھی۔ وہ ایک وسیع علاقے پر قابض تھا۔ مزید برآں وہ لائق ، عالی حوصلہ اور طاقتور تھا۔ معتمد باللہ نے خراسان وغیرہ صوبوں کی باقاعدہ سند حکومت اس کو عطا کی تاکہ وہ فرمانبردار رہے۔ ۲۶۵ھ میں یعقوب کا انتقال ہو گیا اور اس کا بھائی عمرو بن لیث تخت نشین ہوا۔ اس نے خلیفہ سے اپنی اطاعت کا وعدہ کیا چنانچہ خلیفہ نے اس کو خراسان ، اصفہان، سندھ اور سجستان کی سندِ حکومت عطا کی۔
یعقوب صفار کی موت کے بعد خاندان طاہریہ کے

ہمدردوں۔ ابوطلحہ اور ابو رافع بن ہرثمہ نے طاہریہ خاندان کو برسر اقتدار لانے کی کوشش کی۔ اس وقت بخارا کا حاکم اسماعیل بن احمد سامانی تھا۔ جس نے بعد میں سامانی حکومت کی بنیاد رکھی یہ کبھی کسی فریق کا مددگار ہو جاتا کبھی کسی فریق کا۔ اور اس طرح اس علاقے میں طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔

موفق کی وفات

خلیفہ معتمد علی اللہ برائے نام خلیفہ تھا۔ اس کا بھائی موفق اپنی بہادری اور دانائی کی وجہ سے تمام امور سلطنت پر حاوی تھا۔ موفق نے ہی ترک سرداروں کے زور کو توڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کی اور اس کے بیٹے معتضد کی عزت بڑھ گئی۔ مگر اس نے ۲۲ صفر ۲۷۸ھ کو انتقال کیا جب کہ وہ فارس اور اصفہان سے واپس آ رہا تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے معتضد کو ولی عہد بنایا گیا۔ معتضد بھی چونکہ ایک تجربہ کار اور بہادر شخص تھا اس لیے تمام امور سلطنت پر حاوی ہو گیا اور خلیفہ اب بھی ایک عضو معطل ہی رہا۔

اس وقت تک یہ کیفیت تھی کہ معتمد نے اپنے بیٹے جعفر کو اوّل ولی عہد اور معتضد کو ولی عہد دوم بنایا تھا۔ لیکن ۲۷۹ھ میں معتمد نے معتضد کے اثر و اقتدار کو دیکھ کر معتضد کو ولی عہد اول اور اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد دوم بنا دیا۔

۲۰ رجب ۲۷۹ھ کو معتمد علی اللہ بن متوکل علی اللہ نے وفات پائی اور سامرا میں دفن ہوا۔

معتضد باللہ

۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ مطابق ۸۹۲ء تا ۹۰۳ء

رجب ۲۷۹ھ میں معتضد تخت نشین ہوا یہ بڑا بہادر اور عقل مند تھا۔ ضرورت کے وقت سخت گیری اور خونریزی سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ معاملہ فہم اور باہیبت تھا۔ اس نے فلسفہ اور مناظرہ کی کتابوں کی اشاعت کو بند کر دیا تاکہ مذہبی جھگڑوں کا سدِ باب ہو سکے۔ نجومیوں اور داستان گویوں کا دشمن تھا۔ عدل و انصاف کو پسند کرتا تھا۔ رعایا کے خراج میں کمی کر دی۔ نوروز کی رسم کو جو بغداد میں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی تھی حکماً بند کر دیا۔ رعایا پر سے سرکاری عمال کے ظلم و ستم کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا میں بہت مقبول ہو گیا۔ لیکن اس وقت خلافت عباسیہ کی حالت بہت

خراب اور نازک تھی۔ اس نے بڑی ہمت اور عزم و استقلال سے خلافت کو سنبھالا دینے کی کوشش کی اور ایک حد تک اس میں کامیاب ہُوا۔ لیکن اس کے جانشینوں میں یہ قابلیت نہ تھی کہ اس رفتارِ ترقی کو قائم رکھ سکتے۔

خلیفہ معتضد نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے معرکے سر کیے۔ ۲۸۰ھ میں جزیرہ پر خود فوج لے کر گیا اور قبائل بنی شیبان کو قرار واقعی سزا دے کر بہت سا مالِ غنیمت بغداد لایا۔ خارجیوں کے دو گروہوں کا خاتمہ کیا۔ ۲۸۵ھ میں آذربائیجان کو فتح کیا۔ اس کے زمانے میں قرامطہ نے خروج کیا جس کا تذکرہ الگ کیا جائے گا۔ ۲۸۹ھ میں وفات پائی۔

مکتفی باللہ

۲۸۹ھ تا ۲۹۵ھ مطابق ۹۰۲ء تا ۹۰۷ء

معتضد کے بعد اس کا بیٹا جس کا نام علی تھا مکتفی باللہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ جب معتضد کا انتقال ہوا تو مکتفی باللہ رقہ میں تھا۔ اس کا غلام بدر فارس میں تھا۔ قاسم بن عبیداللہ وزیر اعظم نے اس کے نام پر بیعت لی۔ مکتفی ۷ر جمادی الاول کو بغداد میں وارد ہوا۔ بڑا عادل، خوش خلق اور خوب صورت تھا۔

قرامطہ شام میں

قرامطہ نے بحرین پر قبضہ کر کے کوفہ کی طرف پیش قدمی کی مگر شاہی فوجوں سے شکست کھائی۔ اس کے بعد انھوں نے دمشق میں جا کر اودھم مچا

دیا۔ مکتفی خود فوج لے کر ان کی سرکوبی کو روانہ ہوا رقہ میں پہنچ کر اس نے اپنے ایک جرنیل محمد بن سلیمان کو شام کی طرف روانہ کیا۔ جس نے بڑی بہادری اور ہوشیاری سے ان کا قلع قمع کیا۔ بے شمار قرامطہ مقتول ہوئے ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اور جو بچ رہے وہ یمن کی طرف بھاگ گئے۔

اس وقت مصر میں ابن طولون کی حکومت کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ محمد بن سلیمان نے خلیفہ سے اجازت حاصل کر کے مصر پر فوج کشی کی۔ کئی معرکے ہوئے جن میں خاندانِ ابن طولون کو پے در پے شکستیں ہوئیں۔ خاندانِ طولون کے تمام لوگ گرفتار کر لیے گئے اور مصر پر عباسیوں کا قبضہ ہو گیا۔

۲۹۲ھ میں خلیفہ نے ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان کو کردوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا۔ جس نے کردوں کو شکست دے کر اپنا مطیع کیا۔ اس کے بعد ابوالہیجا نے خلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ خلیفہ نے اپنے ایک غلام مونس کو بھیجا۔ جو ابوالہیجا کو گرفتار کر کے بغداد لے آیا۔

۲۹۱ھ میں رومیوں نے ایک زبردست لشکر

کے ساتھ اسلامی علاقے پر حملہ کر دیا مگر سرحدی سرداروں نے ان کو مار بھگایا۔ ۲۹۳ھ میں ترکوں نے ماوراالنہر پر حملہ کر دیا۔ جنگلی اور وحشی انسانوں کا ایک سیلاب تھا جو اُمڈا چلا آتا تھا۔ اسماعیل سامانی نے ڈٹ کر اور ہمت سے ان کا مقابلہ کر کے ان کو مار بھگایا اور بلاد دیلم اور ترکوں کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ جمادی الاوّل ۲۹۵ھ میں ساڑھے چھ برس حکومت کرنے کے بعد مکتفی باللہ فوت ہوا۔ وفات سے پہلے اس نے اپنے بھائی جعفر کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ مکتفی نے مرتے وقت بیت المال میں ڈیڑھ کروڑ دینار چھوڑے۔ جعفر مقتدر باللہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

خلافت بنی عباس کا خاتمہ

خلافت بنی عباس کی جو کیفیت تھی اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے بعد ساڑھے تین سو سال تک اس خاندان میں جو خلیفہ ہوئے ان کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی۔ ان کا تخت پر بیٹھنا معزول ہونا، قید ہونا، ہلاک کر دیا جانا یا اندھا کر

دیا جاتا۔ یہ سب کچھ ان امرا کے ہاتھ میں تھا۔ جن کے قبضے میں حکومت ہوتی تھی جن کے پاس فوجی طاقت ہوتی وہ بغداد پر چڑھ دوڑتا اور امرا اور منتظمین کو تہ تیغ یا قید کر کے خلیفہ کو اپنی تحویل میں لے لیتا۔ اور اس سے حسب منشا کام لیتا۔ ان شاہانِ شطرنج کا تذکرہ غیر ضروری ہے۔ یہاں ہم ان لوگوں کا ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔ جنھوں نے وقتاً فوقتاً بغداد پر قبضہ کر کے امیرالامرائی پر قبضہ رکھا۔ اس سلسلے میں ان عباسی خلفاء کا بھی کچھ تذکرہ آ جائے گا۔ تاہم اس سے پہلے ان خلفاء کے نام درج کیے دیتے ہیں۔

مکتفی باللہ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کے بعد خلفا کی ترتیب یہ ہے۔

مقتدر باللہ۔ قاہر باللہ۔ محمد راضی باللہ۔ متقی باللہ مستکفی باللہ۔ مطیع للہ۔ طائع للہ۔ قادر باللہ۔ قائم بامر اللہ۔ مقتدی بامر اللہ۔ مستظہر باللہ۔ مسترشد باللہ۔ راشد باللہ۔ مقتفی لامر اللہ۔ مستنجد باللہ۔ مستضی بامر اللہ۔ ناصر دین اللہ ظاہر بامر اللہ۔ ابو جعفر مستنصر باللہ اور آخری خلیفہ مستعصم باللہ جس کا ۶۵۶ھ میں خاتمہ ہوا۔ اور آٹھ

سو سال کے بعد عباسی سلطنت کا آفتاب مشرق میں ڈوب گیا۔

امیر الامراء

مقتدر کے بعد ڈیڑھ سال تک کے لیے اس کا بھائی قاہر تخت خلافت پر متمکن رہا اور پھر مقتدر کا بیٹا راضی تخت نشین ہوا جو سات سال برسر اقتدار رہا۔ اس نے امیر الامراء کا نیا منصب نکال کر ایک ایسا قدم اٹھایا جس سے خلیفہ کا رہا سہا وقار و اقتدار بھی ختم ہو گیا۔ ملکی شورشوں اور خود مختار حکومتوں کے قیام کے باعث خزانۂ خلافت خالی ہو چکا تھا۔ والیوں اور عاملوں نے خراج بھیجنا بند کر دیا۔ وزرا صورت حالات پر قابو نہ پا سکے۔ عمال خلافت بد دیانت ہو چکے تھے۔ ایسے موقع پر اس نے بصرہ کے والی محمد بن رائق کو بلا کر امیر الامرائی کا منصب سونپا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وزارت و خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور تمام طاقت امیر الامراء کے ہاتھ میں آگئی۔ اور خلافت عباسیہ میں یہ عہدہ منتقل ہو گیا اور ہر ایک اس پر قبضہ کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔

راضی کے بعد متقی تخت نشین ہوا اور ۳۳۳ھ تک چار سال تک حکومت کی لیکن امرالامراء کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا رہا اور آخر انھی میں سے ایک کے ہاتھوں معزول ہو کر اندھا ہوا۔

خاندان بویہ یا دیلمی

دیلم کا علاقہ بحیرۂ خزر کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ یہاں ایک شخص ابو شجاع بویہ دیلمی ہوا جس نے دولتِ دیالمہ کی بنیاد رکھی۔ اس کے تین بیٹے علی، حسن اور احمد تھے۔ ان بھائیوں نے اتنی ترقی کی کہ عماد الدولہ، رکن الدولہ اور معز الدولہ کے نام سے صاحب عزت و حکومت ہوئے۔

ماکان بن کاکی نے جب دیلمیوں کی فوج مرتب کی تو یہ تینوں بھائی بھی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اور اپنی ہمت و جرأت عقل مندی اور دانائی سے بہت جلد ترقی کرتے گئے اور بڑے بھائی علی بن بویہ کو کرخ کا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ اس کے بھائی بھی اس کے ساتھ چلے گئے۔

علی بن بویہ نے کرخ میں آکر اردگرد کے کئی

قلعوں کو فتح کر لیا۔ اور مال غنیمت لشکریوں میں بانٹ دیا۔ جس سے فوج اس سے بہت خوش ہوئی۔

اور بھی کئی دیلمی سردار آکر اس سے مل گئے۔ قسمت کی بات ہے کہ اسے بہت سی دولت بھی اچانک مل گئی۔ جس سے اس کی قوت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ مختلف علاقوں کو فتح کر کے اس نے اپنے بھائیوں حسن اور احمد کو ان پر حاکم مقرر کیا۔ یہ خود مختار حکومتیں تھیں۔ یہ حاکم دربار خلافت سے سند حاصل کر کے اپنا مقرر کیا ہوا خراج دربار خلافت میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اسے خراج کہنے کی بجائے نذر نیاز کہنا غالباً زیادہ ٹھیک ہو گا۔

بویہ کے بیٹوں نے جب خوب طاقت اور حکومت حاصل کر لی تو احمد جو سب سے چھوٹا تھا عراق پر قبضہ کرنے کے بعد ۳۳۴ھ میں بلا خوف و خطر بغداد میں جا گھسا۔ اس وقت مکتفی خلیفہ تھا جو متقی کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔ اس میں مقابلے کی کہاں طاقت تھی۔ بغداد سے باہر آکر احمد کا استقبال کیا اور معز الدولہ کا خطاب دے کر اپنا امیر الامراء بنا لیا۔ اس وقت کیفیت یہ تھی کہ خلیفہ ہر طاقت در

شخصیت کے سامنے جھکنے کو تیار ہو جاتے تھے۔

معز الدولہ احمد نے نے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لے کر اس قدر قوت و رسوخ پیدا کر لیا۔ کہ سکہ اور خطبہ میں خلیفہ کے ساتھ اس کا نام بھی شریک کر لیا گیا۔ یہ لوگ شیعہ تھے۔ انھوں نے اپنے دور اقتدار میں شیعی عقائد اور رسم و رواج کو بڑی ترقی دی۔ (عید غدیر) منانے کی رسم بھی عضد الدولہ نے ایجاد کی۔ (تعزیہ داری) بھی اسی نے شروع کی۔ بغداد میں چونکہ سنی مسلمانوں کی کثرت تھی۔ جب انھوں نے وہاں شیعیت کا زور دیکھا تو ان میں سے بہت سے لوگ بغداد چھوڑ کر چلے گئے۔

عضد الدولہ دیلمی آل بویہ میں سب سے زیادہ دانش مند، مدبر اور ممتاز حکمران گزرا ہے۔ اس عہد میں اس خاندان کی شوکت کمال کو پہنچ چکی تھی۔ مگر اس کے بعد دیلمی حکومت کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ بغداد پر ایک سو تیرہ سال تک دیلمیوں کا اقتدار رہا۔ آخر سلاجقہ نے ان کا خاتمہ کیا۔

سلاجقہ

۴۱۸ھ میں ترکوں کا ایک معزز اور شریف قبیلہ

جس کے سردار کا نام سلجوق تھا بخارا کے قریب آ کر آباد ہو گیا۔ یہ لوگ شریف اور معزز ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بہادر بھی تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب محمود غزنوی کی سلطنت دور و نزدیک تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس میں کابل، غزنی، جرجان، طبرستان اور پنجاب کے علاقے شامل تھے۔ محمود غزنوی کی وفات کے بعد یہ لوگ ترکستان اور خراسان کی طرف پھیلتے چلے گئے اور بہت سے دوسرے قبائل بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ محمود کے جانشینوں میں وہ خم نہ تھا جو محمود کا حصہ تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلجوقیوں نے خراسان کو فتح کر لیا۔ آل بویہ بھی آپس کی خانہ جنگی میں مصروف تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلجوقیوں کو بہت جلد ترقی کرنے کے مواقع مل گئے۔

ان لوگوں نے چونکہ نواح بخارا میں اسلام قبول کیا تھا اس لیے یہ لوگ سنی عقیدہ رکھتے تھے۔ جو لوگ آلِ بویہ کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے انھوں نے ان کو رحمت سمجھا۔ چنانچہ ان کے سردار طغرل بیگ نے نیشاپور، خوارزم، خراسان، آذربائیجان اور جزیرہ کو فتح کر کے اپنی طاقت و حکومت کو مستحکم کر لیا۔

اس نے رے کو اپنا دارالحکومت بنایا اور بہت سے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔

بغداد میں دیلمیوں کے مظالم حد سے بڑھ گئے تھے۔ جب سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھا تو قائم نے طغرل سے مدد مانگی۔ طغرل اس کے لیے فوراً چل پڑا اور ۴۴۷ھ میں بغداد پر قبضہ کر کے خلیفہ کو دیلمیوں کے پنجے سے نجات دلائی۔ اور خلیفہ کے عزت و وقار کو دوبارہ قائم کیا۔

طغرل نے خلیفہ سے رشتہ داری کے تعلقات بھی قائم کیے۔ طغرل کی بھتیجی خلیفہ کے نکاح میں تھی اور خلیفہ نے اپنی بیٹی طغرل سے بیاہ دی۔

۴۵۵ھ میں طغرل نے رے میں انتقال کیا۔ چونکہ اس کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے اس کے بعد اس کا بھتیجا الپ ارسلان اس کا جانشین مقرر ہوا۔ یہ بڑا بہادر، جنگ جو اور پرہیزگار حکمران تھا۔ اس نے ملاذگرد کے مقام پر قیصر روم کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اس پر قیصر نے الپ ارسلان کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں نکاح میں دیں۔ اس جنگ کے بعد ایشیائے کوچک اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔

اس کا وزیر اعظم نظام الملک طوسی تھا۔ اس نے ۴۵۶ھ میں بغداد میں جا کر الپ ارسلان کی طرف سے خلیفہ کی بیعت کی اور خطبہ میں خلیفہ قائم بامر اللہ کے ساتھ الپ ارسلان کا نام بھی پڑھا جانے لگا۔

نظام الملک طوسی

(الپ ارسلان کی شان و شوکت اور علمی ترقیوں میں اس کے وزیر نظام الملک طوسی کا بہت بڑا حصّہ ہے یہ بڑا صاحب علم و فضل اور سیاست دان تھا۔ اُس کی کتاب "سیاست نامہ" علمِ سیاست پر ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اس نے ملک میں علم و ادب کو ترقی اور رواج دینے کی زبردست کوشش کی۔ جہاں جہاں سے بھی اسے اُستاد میسر آسکے اس نے منگوائے۔ ملک کے طول و عرض میں سکول کھولے اور وسیع پیمانے پر تعلیم کا بندوبست کیا۔ بغداد میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ یہ دارالعلوم تقریباً چار سو سال تک خدمت دین و ادب کرتا رہا) رفاہ عامہ کے بہت سے کام کیے۔ سڑکیں بنوائیں۔ مسجدیں تعمیر کرائیں۔ حاجیوں کے لیے ہر ممکن آسائش و آرام کا بندوبست کیا۔ ملک میں عدل و انصاف

قائم کیا۔ ناجائز محصول بند کیے۔ ہر ممکن طریق سے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کی۔

الپ ارسلان کی وفات

۴۶۲ھ میں قیصر روم نے ارمانوس، روس اور فرانس کی حکومتوں کی مدد سے الپ ارسلان پر حملہ کر دیا۔ الپ ارسلان نے ان کو زبردست شکست دے کر اس کے بادشاہ کو گرفتار کر کے اس کے کان اور ناک کاٹ لیے۔ ارمانوس کو گرفتار بھی کر لیا مگر اس نے اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کر کے رہائی پائی۔

۴۶۵ھ میں جب ماوراالنہر کی طرف گیا تو ایک مجرم یوسف خوارزمی کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے کہا کہ میں اسے اپنے تیر کا نشانہ بناؤں گا۔ مگر نشانہ چوک گیا۔ یوسف نے خنجر مار کر سلطان کو زخمی کر دیا۔ جس سے ۱۰ ربیع الاول ۴۶۵ھ کو سلطان نے انتقال کیا۔

الپ ارسلان کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلجوق تخت نشین ہوا۔ یہ سلاجقہ کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ اس کی حدودِ سلطنت چین سے لے کر بحیرۂ روم

کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے عہد حکومت میں بھی نظام الملک بدستور وزیر اعظم رہا۔ جس نے اپنی عقل مندی، دانائی اور حسن تدبیر سے نہ صرف ملک کو وسعت دی بلکہ عدل و انصاف پر مبنی حکومت قائم کی۔ آخر (حسن بن صباح) کے ایک فدائی نے نظام الملک ایسے وزیر با تدبیر کو قتل کر دیا اور اس کے تقریباً ایک ماہ بعد ملک شاہ کا انتقال ہو گیا۔

ملک شاہ کے انتقال کے بعد اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ دربارِ خلافت کی یہ حالت تھی کہ جو بھی کسی لڑائی میں کامیاب ہو جاتا اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگتا۔ ان مسلسل لڑائیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ عراق، وفارس اور جزیرہ وغیرہ کے علاقوں کا امن تباہ و برباد ہو گیا اور تمام سلطنت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر کئی خود مختار سلطنتیں بن گئیں۔

ایک مدت کے بعد ان حالات کو دیکھتے ہوئے خلیفہ مسترشد باللہ نے میدان میں نکل کر اپنی جرأت و بہادری کے جوہر دکھلائے اور ۵۱۷ھ میں دبیس بن صدقہ کو مبارکہ کے مقام پر زبردست شکست دی۔

دوسری لڑائی ۵۲۱ھ میں ملک شاہ کے بیٹے محمد اور خلیفہ کے مابین ہوئی لیکن بعد میں صلح ہو گئی اور سلجوقی دربار خلافت پر چھائے رہے۔ آخر مقتفی لامراللہ نے اپنے آپ کو سلجوقی اقتدار سے آزاد کر کے عراق و بغداد میں اپنی آزادانہ حکومت قائم کی۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی دور کے آخری کمزور خلفا میں یہ ایک طاقتور اور نامور خلیفہ شمار ہوتا ہے۔

مقتفی لامراللہ کے بعد مستنجد باللہ تخت نشین ہوا اس کا عہد امن و امان کا زمانہ رہا۔

تاتاریوں کی یورش

ترکستان کے شمال کی طرف جو علاقہ فرغانہ سے دریائے آمو تک پھیلا ہوا ہے اس میں بسنے والے لوگ نیم وحشی تھے۔ ان میں ۵۴۹ھ کو ایک لڑکا تموجن پیدا ہوا جو بعد میں چنگیز خان کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے تیرہ سال کی عمر میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو فتح کر کے اپنی طاقت بڑھانی شروع کر دی اور قراقرم کو اپنا دارالسلطنت بنا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور پیکنگ پر قبضہ کر کے شمالی چین کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

اس وقت ترکستان پر علاؤالدین خوارزم شاہ کی حکومت تھی۔ چنگیز خان نے اپنے ملک کے مسلمانوں کا ایک دفعہ بھیج کر علاؤالدین سے تجارتی قافلوں کے لیے راستہ طلب کیا۔ چنانچہ دونوں میں تجارتی معاہدہ ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد تاتاریوں کا ایک قافلہ دریائے آموں پر قیام پذیر تھا کہ وہاں کے حاکم نے ان کو جاسوس جان کر خوارزم شاہ کی اجازت سے قتل کر دیا۔ اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔

(چنگیز خان کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے علاؤالدین خوارزم شاہ کو لکھا کہ مقتولین کا لوٹا ہوا مال و اسباب واپس کیا جائے اور جس حاکم نے یہ فعل کیا ہے اس کو میرے حوالے کیا جائے۔ علاؤالدین نے اس کے برعکس چنگیز خان کے سفیر کو قتل کرا دیا۔ اس پر چنگیز خان غضب ناک ہو گیا اور ترکستان پر حملہ کر دیا۔ ۶۱۶ھ میں اس نے بخارا اور سمرقند کو فتح کر کے وہاں کشت و خون اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ خوارزم شاہ شکست کھا کر طبرستان کے کسی مقام پر ۶۱۷ھ میں اکیس سال حکومت کر کے فوت ہو گیا)

اب اس کا بیٹا جلال الدین خوارزم شاہ تخت نشین ہوا۔ تاتاریوں نے اس کو غزنی میں شکست دی۔ (جلال الدین بھاگا اور دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہو گیا۔ چنگیز خان نے دریائے سندھ تک اس کا تعاقب کیا۔ اس وقت ہندوستان پر سلطان التمش کی حکومت تھی جس نے جلال الدین خوارزم کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ جلال الدین یہاں سے عراق کی طرف چلا گیا اور آرمینیا اور آذربائیجان پر قبضہ کر لیا اور آخر میں قتل ہوا۔)

چنگیز خان کی فوج نے تبریز، آذربائیجان، خراسان اور گرجستان میں اس قدر قتل و غارت کی کہ صدیوں تک کے لیے ان علاقوں میں تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت اور علوم و فنون کا خاتمہ ہو گیا۔ چنگیزی جن سرسبز و شاداب علاقوں میں گئے ان کو ویران و بنجر بنا دیا۔ اگرچہ تاتاری مسلمان نہیں تھے لیکن انھوں نے کبھی بغداد کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کو اس کی پروا نہ تھی کہ ان کے مقبوضہ علاقوں کی مسجدوں میں کس کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔

۶۲۳ھ میں چنگیز خان کے انتقال کے بعد اس کا

بیٹا تولی بادشاہ بنا۔ تولی خان بھی بغداد پر حملہ کرنے سے ہچکچاتا رہا لیکن ۶۵۴ھ میں اس کی موت کے بعد جب منگو خان بادشاہ بنا تو اس نے اپنے بھائی ہلاکو خان کو اسلامی ملکوں کی تسخیر پر مامور کیا۔

اس وقت بغداد میں مستعصم باللہ کی حکومت تھی۔ بنی عباس کا یہ آخری خلیفہ ۶۴۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس وقت بغداد میں شیعہ سنی مناقشت زوروں پر تھی۔ اس کا وزیر مؤید الدین علقمی غالی شیعہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعوں کا زور بڑھ گیا۔ خلیفہ خود عیش و عشرت میں مشغول تھا۔ اس پر اس کے بیٹے ابوبکر کے اشارے پر سنیوں نے شیعوں کے محلہ کرخ پر حملہ کر کے اس کو لوٹ لیا۔ اس پر علقمی بہت برافروختہ ہوا۔

اس وقت ہلاکو خان کے دربار میں نصیر الدین طوسی کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا جو خود ایک شیعہ تھا۔

رشید الدین مصنف جامع التواریخ کے علاوہ تمام مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ علقمی نے نصیر الدین کو لکھا کہ ہلاکو خاں کو بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دی جائے۔

(محرم ۶۵۶ھ میں ہلاکو نے بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ ابتدا میں اگرچہ بغدادی فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن

شکست کھائی۔ مستعصم نے جب دیکھا کہ اس میں مقابلے کی ہمت نہیں تو اپنے بچوں کو ساتھ لے کر ہلاکو کے پاس پہنچا۔ ہلاکو نے کہا کہ شہر کے عالموں کو بھی بلاؤ جب وہ آگئے تو سب کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ شہر کے تمام لوگ ہتھیار رکھ کر خالی ہاتھ اس کے سامنے پیش ہوں۔ جب وہ آئے تو ان کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد قتل عام کا حکم دے دیا اور سارے شہر میں چند لوگ ہی بچے جنھوں نے معلوم نہیں کہ کس طرح جان بچائی۔ بغداد اور مضافات میں تاتاریوں کے ہاتھوں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔

۹ صفر ۶۵۶ھ بروز جمعہ ہلاکو خان مستعصم کو ساتھ لے کر بغداد میں داخل ہوا اور شہر میں جس قدر مال و اسباب موجود تھا لوٹ لیا گیا۔ مدفون خزانے نکال لیے گئے۔ خلیفہ کئی دن سے بھوکا تھا۔ جب وہ روٹی طلب کرتا تو اس کے سامنے جواہرات سے بھری ہوئی طشتری رکھ دی جاتی۔ آخر نصیر الدین طوسی اور علقمی کے مشورے سے خلیفہ کو نمدے کے ایک بورے میں بند کر دیا گیا۔ اور ایک ستون سے باندھ کر اس قدر ٹھوکریں ماری گئیں کہ خلیفہ کا دم نکل گیا۔

اس کے بعد ہلاکو خان نے وہ تمام کتابیں جو خلفائے
عباسیہ نے اپنے زمانے میں دور دراز ملکوں سے منگوا
کر جمع کی تھیں ان کو دجلہ میں پھینکوا دیا۔ کہتے ہیں
دجلہ جو کئی دنوں سے مسلمانوں کے خون سے رنگین تھا
اب کتابوں کی سیاہی سے اس کا پانی سیاہ ہو گیا۔
ہلاکو خان نے جس بے رحمی اور بے دردی سے بغداد
کو تباہ و برباد کیا اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں
ملتی۔

علقمی کی خواہش تھی کہ ہلاکو کسی ہاشمی علوی کو
خلیفہ بنا دے گا اور میں نائب السلطنت بنا رہوں گا
مگر اس کی یہ توقع پوری نہ ہوئی اور ہلاکو خان نے
عراق میں اپنے عامل مقرر کر دیے۔ اس طرح عباسی دولہ
کا بہت حسرتناک انجام ہوا۔

اسماعیلیہ اور قرامطہ

بنی عباس کے ذکر میں ایک دو بار قرامطہ کا ذکر آیا ہے۔ چونکہ اس گروہ نے اسلام میں ایک نیا فتنہ پیدا کیا تھا اور ان کی وجہ سے عالم اسلام کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس گروہ کا قدرے وضاحت سے ذکر کر دیا جائے مگر اس سے پہلے فرقہ اسماعیلیہ کا ذکر ضروری ہے کیونکہ قرامطہ اسماعیلیہ کی ہی ایک شاخ تھے۔

کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد شیعان علی میں تین گروہ امامیہ، زیدیہ اور کیسانیہ پیدا ہو گئے تھے۔ امامیہ تعداد میں زیادہ تھے (جن کا عقیدہ ہے کہ خلافت صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فاطمی اولاد کے لیے مختص ہے) زیدیہ اور کیسانیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت علی کی غیر فاطمی اولاد بھی امامت کی حقدار ہے۔ چنانچہ انھوں نے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غیر فاطمی بیٹے محمد بن الحنفیہ کو اپنا امام بنا لیا۔ لیکن ان کی تعداد ہمیشہ کم ہی رہی یہاں تک کہ عباسی دور میں ان کا وجود برائے نام تھا۔

امامیہ فرقہ کے چھٹے امام حضرت جعفر صادق رضؓ کے زمانے میں دو اور گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک سبعیہ یا اسماعیلیہ اور دوسرا اثنا عشریہ۔

ان دو نئے گروہوں کے پیدا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت امام جعفر صادقؒ نے اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن بعد میں کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ انھوں نے ان کی نامزدگی منسوخ کر کے اپنے دوسرے بیٹے (امام موسیٰؑ) کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ اسماعیل کا انتقال باپ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا (لیکن اس کے باوجود امام جعفر صادق کے انتقال کے بعد کچھ لوگوں نے امام موسیٰ کو امام ماننے سے انکار کر دیا اور امام اسماعیل کو اصل امام قرار دے کر ان کے بیٹے محمد کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ لوگ اسماعیلی کہلائے۔ اسماعیلیہ کے نزدیک امامت حضرت اسماعیل پر ختم ہو جاتی ہے چونکہ یہ ساتویں

امام تھے اس لیے ان کو سبعیہ بھی کہتے ہیں۔ دوسرا گروہ جس نے امام موسیٰ کاظم کو اپنا امام مانا وہ چونکہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں اس لیے اثنا عشری کہلائے

اسماعیلیہ کے نزدیک امام کا بنانا اور ہٹانا انسان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ یہ منصب خدا کی طرف سے بڑے بیٹے کو خود بخود مل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت امام جعفر صادق کے اس اقدام کو درست قرار نہیں دیتے جو انھوں نے اپنے بیٹے اسماعیل کی معزولی کے لیے دیا تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس منسوخی کے باوجود امام اسماعیل کا حق امامت بدستور قائم اور موجود ہے۔ اس کے علاوہ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام اسماعیل مرے نہیں بلکہ پوشیدہ ہو گئے ہیں اور وہ پھر ظہور کریں گے۔ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ امام اسماعیل آخری اور مکمل انسان ہیں۔ ان کے بعد کوئی اور امام نہیں آ سکتا۔ لیکن ان کا نائب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہر بڑے لڑکے کو نائب امام خیال کیا جاتا ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نائب امام میں امام کی روح حلول کر آتی ہے۔

اسماعیلیہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ قرآن کے

ظاہر معنوں کے علاوہ اس کے ایک باطنی معنی بھی ہوتے ہیں جن سے صرف امام ہی واقف ہوتا ہے اس لیے ان کو باطنیہ بھی کہا جاتا ہے۔

عبداللہ بن میمون

ابتدا میں اسماعیلیہ کو امامیہ کا ایک ہی گروہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کی الگ کوئی سیاسی یا مذہبی حیثیت نہ تھی۔ عبداللہ بن میمون نے اسے ایک مخصوص فرقہ بنا دیا۔

عبداللہ کا باپ شیعہ اور ایک مشہور شعبدہ باز تھا۔ یہ اہواز کا رہنے والا تھا۔ یہ لوگ آواگون کے قائل تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے اماموں میں خود خدا کی ذات نے حلول کیا تھا۔

عبداللہ چونکہ ایک شعبدہ باز تھا اس لیے اس نے ایسے شعبدے دکھائے کہ بکثرت لوگ اس کے دام فریب میں پھنس گئے۔ اس کے بعد اس نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا۔ اس نے سلطنت اسلامیہ کے تمام حصوں میں اپنے آدمی پھیلا دیے۔ یہ لوگ نامہ بر کبوتروں کے

ذریعے مختلف علاقوں کے حالات لکھ بھیجتے اور یہ عوام کو سنا کر ان پر اپنی غیب دانی کا سکہ جماتا۔ عراق میں ایک شخص حمدان اس کو ایسا مل گیا جس نے اس کے عقائد کی خوب تبلیغ کی۔

عبداللہ نے اپنے ماننے والوں کے لیے کچھ خفیہ عقائد رکھے جو شخص ان عقائد کو تسلیم کر لیتا اسے رفیق کہا جاتا تھا۔ عبداللہ کے پوتے سعید نے مصر میں بنو فاطمہ کی آزاد سلطنت قائم کی۔ اور اس تحریک کو باطنیہ کا نام دیا گیا۔

قرامطہ

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ایک شخص حمدان جو عراق میں رہتا تھا عبداللہ بن میمون کا داعی بنا۔ یہ شخص خوزستان سے آکر کوفہ کے قریب ایک گاؤں میں آباد ہو گیا تھا۔

(ایک مرتبہ جب حمدان بیمار ہوا تو گاؤں کا ایک آدمی جو سرخ آنکھوں کی وجہ سے کرمتیہ کے نام سے مشہور تھا۔ حمدان کو اپنے گھر لے گیا اور اس کی تیمار داری کرنے لگا۔ اچھا ہو جانے کے بعد اسی کے ساتھ

رہنے لگا۔ چنانچہ وہ بھی اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ یہی لفظ بعد میں قرامطہ ہو گیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ چونکہ یہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا تھا۔ عربی میں ایسے آدمی کو قرمط کہتے ہیں۔ لہٰذا اس سے قرامطہ کا نام پڑا۔

قرامطہ کے عقائد اشتراکیت سے ملتے جلتے تھے۔ اس کی ابتدا جنوبی عراق میں ہوئی جہاں کے لوگ بڑے بڑے زمیندار تھے لیکن ان کے ماتحت مزارعین کا ایک ایسا طبقہ ان کا خدمت گزار تھا جو انتہائی مفلوک الحالی میں زندگی بسر کرتا تھا۔ زمیندار خود عیش و عشرت اور لہو و لعب میں زندگی بسر کرتے مگر ان غریبوں کو پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہ ہوتا۔ حمدان نے ان میں یہ پروپاگنڈا کیا کہ امام اسماعیل عنقریب دنیا میں ظاہر ہو کر تمہیں زمینداروں کے ظلم و ستم سے نجات دلائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کثیر التعداد کاشت کار ان کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ اور آہستہ آہستہ یہ تحریک زور پکڑنے لگی۔

جب حالات بگڑتے دیکھے تو کوفہ کے عباسی حاکم نے حمدان کو پکڑ کر دارالامارت کے ایک کمرے میں قید

کر دیا۔ مگر وہ ایک لونڈی کی مدد سے بھاگ نکلا۔ اس رہائی کو بھی اس نے اپنا معجزہ قرار دیا۔ اور لوگوں کو کہا کہ دنیا کی کوئی طاقت مجھے گرفتار نہیں کر سکتی لیکن اب اس نے یہی مناسب خیال کیا کہ کوفہ کو چھوڑ کر دارالحکومت سے کہیں دور چلا جائے۔ چنانچہ یہ شام چلا گیا۔ جہاں اس تحریک کو بڑا فروغ ہوا۔ ۲۸۱ھ میں اس گروہ کے ایک شخص یحیٰی بن مہدی نے اعلان کیا کہ مجھ کو امام زمان نے بھیجا ہے۔ قرامطی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ۲۸۶ھ میں ایک شخص ابوسعید جنابی نے قرامطیوں کو جمع کر کے بصرہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ معتضد نے عباس بن عمر غنوی کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا مگر اس نے شکست کھائی اور یحیٰی نے عباس کو گرفتار کر لیا اور اس کے ساتھیوں کو زندہ آگ میں جلوا دیا۔ اب بحرین کے علاقے پر ان کا مکمل قبضہ تھا۔ آخر کوفہ کے قریب ایک عباسی سردار نے ان کو شکست دی اور ان کا سردار ابوالفوارس بھاگ کر دمشق چلا گیا۔

دمشق میں ان لوگوں نے بڑا فتنہ و فساد برپا کیا۔ کئی جنگیں ہوئیں مگر ہر لڑائی میں قرامطی کامیاب

رہے۔

ابو سعید جنابی بحرین میں ہی رہا اور اکثر شاہی فوجوں کو دق اور پریشان کرتا رہا۔ آخر شاہی فوج کے ایک معرکے میں (خیالی کام آیا) اور اس کا بیٹا ابو طاہر اس کا جانشین مقرر ہوا۔ یہ اپنے باپ سے بھی بڑھ کر سفاک اور ظالم تھا۔ خلیفہ مقتدر کے عہدِ حکومت میں اس نے بصرہ پر پے درپے حملے کر کے لوگوں کو بڑی سفاکی سے قتل کیا۔

حاجیوں کے قافلوں کو لوٹنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ ۳۱۲ھ میں ابو طاہر نے مکہ سے واپس آتے ہوئے حاجیوں کو لوٹا۔ خلیفہ مقتدر نے اس کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی مگر اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس ظلم و جور کو دیکھ کر ۳۱۳ھ میں کوئی مسلمان حج کے لیے نہ گیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے اس کے مقابلے کے لیے جتنی بھی مہمیں بھیجیں سب ناکام ثابت ہوئیں۔ اب قرامطہ عباسی سلطنت کے بہت سے حصے پر قابض ہو چکے تھے۔ ۳۱۶ھ میں مقتدر نے ایک زبردست فوج کو ان کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ جس نے قرامطیوں کو زبردست شکست دی اور وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

۳۱۸ھ میں ابو طاہر نے عین زمانہ حج میں مکہ معظمہ پر حملہ کر دیا۔ اور حاجیوں کا قتل عام کر کے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ حرم کعبہ میں بھی بے گناہ لوگوں کے قتل سے باز نہ آیا اور مقتول حاجیوں کی لاشیں چاہ زمزم میں پھینک دیں۔ غلاف کعبہ کو پھاڑ دیا اور، حجر اسود کو توڑ کر دیوار سے نکال لیا اور اپنے ساتھ بحرین کے دارالسلطنت ہجر میں لے گیا۔

کعبہ کی اس بے حرمتی پر تمام عالم اسلام میں ایک کہرام مچ گیا۔ آخر عبیداللہ مہدی نے جو اس وقت قرامطیوں کا پیشوا تھا ابو طاہر کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود کو واپس کر دے چنانچہ دس برس کے بعد ۳۲۹ھ میں حجر اسود پھر خانہ کعبہ میں واپس آیا۔

(ابو طاہر کے اس ظلم و ستم کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں نے حج کے لیے مکہ معظمہ جانا چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس نے تمام راستے مخدوش بنا دیئے تھے۔ عباسی خلافت میں ان کے مقابلے کی ہمت نہ تھی۔ آخر خدا کی قدرت سے ان میں باہمی پھوٹ پڑ گئی۔ اور اسی میں ان کا زور ٹوٹ گیا)

حسن بن صباح

عباسیوں کے عروج و زوال کی داستان ختم کرنے سے پہلے اسماعیلی فرقہ (جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) کے ایک شخص حسن بن صباح کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ رے کا باشندہ اور بڑا ذہین اور سمجھدار تھا۔ اس نے حکیم عمر خیام اور نظام الملک طوسی کے ساتھ تعلیم پائی تھی۔ مستنصر عبیدی کے زمانے میں یہ مصر گیا۔ جہاں سے اس نے اسماعیلی عقائد سے بڑی اچھی طرح واقفیت حاصل کی اور ایران و عراق میں واپس آکر اپنے عقیدے کی تبلیغ شروع کر دی۔ چونکہ اس علاقے میں پہلے ہی سے بہت سے لوگ اسماعیلی عقائد پر یقین رکھتے تھے اس لیے لوگ بہت جلد حسن بن صباح کے ساتھ مل گئے۔

حسن بن صباح نے دشوار گزار پہاڑ کے درمیان قلعہ الموت کو اپنا مسکن بنا کر اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ ارد گرد کے جنگجو پہاڑی قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا کر ایک بہت بڑی جمعیت بنا لی اور اپنی حکومت قائم کرکے شیخ الجبل کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے

اپنی جماعت میں فدائیوں کا ایک گروہ بنایا۔ جن کے ہاتھوں حسن بن صباح کے اشارے پر بڑے بڑے بادشاہ وزیر اور عالم وفاضل قتل ہوئے۔ اس کا ہم جماعت نظام الملک طوسی بھی انھی فدائیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

حسن بن صباح کے بعد پونے دو سو سال تک اس فرقہ کی حکومت اس علاقے پر قائم رہی۔ ۶۵۲ھ میں جہاں ہلاکو خاں نے سلطنت عباسیہ کو ختم کیا اس سے پہلے اس نے اس گروہ کا بھی خاتمہ کر دیا۔

حسن بن صباح نے ان دشوار گزار پہاڑوں میں ایک جنت بنا رکھی تھی۔ نوجوانوں کو بھنگ پلا کر اس مصنوعی جنت میں لے جاتے اور پھر بھنگ پلا کر واپس لے آتے۔ ایسے نوجوان اس جنت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ہر بڑے سے بڑے کام پر بھی آمادہ ہو جاتے تھے۔ اس کے فدائیوں کے خوف اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ اس دور کے بڑے لوگ عالم اور بادشاہ رات کو چین کی نیند نہ سو سکتے تھے۔

بنی عبّاس کا انتظامِ سلطنت اور ملکی اصلاحات

یہاں اب اس امر پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں رہی کہ بنی عباس کے زوال کے اسباب کیا تھے۔ ان اسبابِ زوال کی منہ بولتی تصویر گزشتہ اوراق میں کھینچ دی گئی ہے۔ ان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو دوسری اقوام سے ہوا۔ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ ہم یہاں صرف ان کے نظامِ سلطنت کا مختصر سا خاکہ پیش کر کے ان کی علمی اور صنعتی ترقیوں کا ذکر کریں گے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ انھوں نے اپنے دورِ حیات میں جو اچھے کام کیے وہ کیا تھے۔ سلطنت کی بہتری و بہبود اور رعایا کی خوش حالی اور فارغ البالی کے لیے کیا کیا اقدامات کیے۔

بنی عباس نے برسرِ اقتدار آکر بنو امیہ کی طرح اپنی حکومت کو موروثی بنا دیا۔ یہ ایک بہت بڑی خرابی تھی انسانی کمزوری اس کے سوا اور کیا کر سکتی ہے۔ لیکن

انھوں نے اس میں ایک نئی بات یہ کی کہ اپنی حکومت کو مذہبی لبادہ پہنا دیا اور مسلمانوں کے روحانی پیشوا بھی بن گئے۔ اس وقت جب دولتِ عباسیہ رُو بہ زوال تھی اور ایک وقت تھا کہ خلیفہ کی حکومت بغداد کی چار دیواری سے باہر نہ تھی۔ پھر بھی بڑے بڑے بہادر اور فاتح جب کسی علاقے کو فتح کر کے اس پر اپنا تسلط جماتے تو اس کے لیے سندِ حکومت بغداد سے ہی حاصل کرتے۔

بنی عباس نے علویوں کا زور توڑنے کے لیے عربوں کو نظر انداز کر کے حکومت ایرانیوں کے سپرد کر دی اور پھر جب ان سے گلو خلاصی کرانی چاہی تو ترکوں کو آگے لے آئے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ فوج ملکی معاملات میں دخل انداز ہونے لگی اور آخر وہ وقت آن پہنچا کہ خلیفہ کی حیثیت فوج کے سرداروں کے سامنے کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی۔

عباسیوں میں صرف آٹھ حکمران ایسے گزرے ہیں جنھیں صحیح معنوں میں حکمران کہا جا سکتا ہے۔ ان کا مرکزی نظامِ حکومت تقریبًا وہی تھا جو بنی اُمیہ کا تھا۔ صرف چند ایک شعبوں کا مزید اضافہ کیا گیا تاکہ کام

مستعدی سے ہو سکے۔

خلیفہ حاکم مطلق ہوتا تھا اور اس کی مرضی اور رائے ملک میں قانون کا درجہ رکھتی تھی۔ عباسیوں نے اپنے عہدِ حکومت میں وزارت کا نیا عہدہ قائم کیا۔

پہلے ایک ہی وزیر ہوا کرتا تھا۔ بعد میں ہر شعبہ کے لیے الگ الگ وزیر بھی رکھے جانے لگے۔

وزارت کے بعد دوسرا اہم عہدہ حجابت کا تھا۔ حاجب کے معنی اگرچہ دربان کے ہیں لیکن خلفائے عباسیہ کے زمانے میں حاجب کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ خلیفہ کے مزاج میں اس کو بڑا دخل ہوتا تھا۔ کوئی شخص حاجب کی اجازت کے بغیر خلیفہ کے سامنے نہ جا سکتا تھا۔ اس کو ایک مشیر کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ بعض اوقات وزارت اور حجابت کے عہدے ایک ہی شخص کے سپرد کر دیے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ حسب ذیل اہم عہدے تھے۔

عامل یا والی۔ یہ صوبوں کے گورنر ہوتے تھے۔ جن کا تقرر خلیفہ کرتا تھا اور اپنے ماتحت عملہ کا تقرر گورنر خود کرتا تھا۔ یہ اپنے صوبے کی آمدنی کا ایک مقررہ حصہ دربارِ خلافت میں بھیجتا تھا۔ ابتدائی آٹھ خلفا نے

کبھی کسی گورنر کو زیادہ مدت تک کسی صوبے میں نہیں رکھا تھا۔ تاکہ وہ کہیں اپنا اثر درسوخ پیدا کر کے بغاوت نہ کر دے لیکن بعد میں اس قاعدے کو جاری نہ رکھا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرکز کو کمزور دیکھ کر گورنروں نے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ بعض صوبے ٹھیکے پر دیے جانے لگے۔

صاحب الشرط۔ یہ محکمہ پولیس کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔ خود بغداد میں رہ کر عراق کے دوسرے شہروں میں اپنے نائب مقرر کرتا تھا۔ شہروں میں امن و امان قائم رکھنا۔ فتنہ و فساد کو فرو کرنا، چوروں اور ڈاکوؤں کا انسداد اس کے فرائض میں شامل تھا۔

قاضی القضاۃ۔ قاضی القضاۃ کی حیثیت چیف جسٹس کی ہوتی تھی۔ ملک کی سب سے بڑی عدالت کو دارالعدل کہا جاتا تھا۔ یہ صوبوں میں قاضی مقرر کرتا۔ ہر صوبے کا قاضی اپنے صوابدید پر صوبے کے شہروں میں قاضی مقرر کرتا۔ دربار میں قاضی کا مقام وزیر اعظم اور سپہ سالارِ اعظم سے کم نہ ہوتا تھا۔ اس کا کام مذہبی احکام کی پابندی اور حفاظت کرانا اور مقدمات کا عدل و انصاف سے فیصلہ کرنا ہوتا تھا۔ یہ بہت بڑا عہدہ ہوتا تھا۔

ہر تخت نشین ہونے والا خلیفہ اس وقت خلیفہ تسلیم کیا جاتا تھا جب قاضی اس کو خلیفہ تسلیم کرلے۔ نئے خلیفہ کے لیے قاضی القضاۃ کی منظوری ضروری ہوتی تھی۔ فوج کے ساتھ قاضی کا ایک نائب جاتا تھا۔ عہدناموں صلح ناموں۔ سندِ حکومت، خلیفہ کے اہم فرامین اور وصیّت نامہ پر قاضی کی مہر لازمی سمجھی جاتی تھی۔

رئیس العسکر۔ یہ فوج کا سپہ سالارِ اعظم ہوتا تھا۔ لیکن یہ کوئی مستقل عہدہ نہ ہوتا تھا۔ عام طور پر ہر دستۂ فوج کا ایک سپہ سالار ہوتا تھا۔ لڑائی کے وقت خلیفہ جس کو چاہتا سپہ سالارِ اعظم بنا دیتا تھا۔

امیر الامراء۔ خلافت کے کمزور ہو جانے سے عراق، خراسان اور فارس کے ان حکمرانوں نے اپنے لیے خلیفہ سے امیر الامراء کا خطاب منظور کرایا۔ یہ لوگ سلطنت پر چھائے ہوئے تھے۔ دیلمی سردار تقریباً ایک سو سال تک امیر الامرائی پر فائز رہے۔

سلطان۔ جب سلجوقی برسر اقتدار آئے تو انھوں نے امیر الامرا کی بجائے اپنے لیے سلطان کا لقب تجویز کیا۔ یہ دیلمیوں سے زیادہ طاقت ور، دین دار اور وسیع خطۂ زمین پر قابض تھے۔ مگر دیلمیوں کے مقابلے میں

خلیفہ کے زیادہ فرمانبردار تھے۔ انھوں نے دیلمیوں کے زمانے میں خلیفہ کے سلب کیے ہوئے اختیار کو پھر بحال کیا۔

محتسب۔ اس کا کام یہ تھا کہ شہر میں خلافِ قانون اور خلافِ شرع حرکات اور افعال سے لوگوں کو باز رکھے اور ان افعال کا ارتکاب کرنے والے لوگوں کو پولیس یا قاضی کے سامنے پیش کر کے سزا دلوائے۔

مشرف یا ناظر۔ تمام محکموں کی نگرانی کے لیے ایک صدر ناظر ہوتا تھا۔ جس کی حیثیت وزیر کے برابر ہوتی تھی ہر محکمہ کا ایک الگ ناظر یا مشرف بھی ہوتا تھا جو صدر ناظر کے ماتحت ہوتے تھے۔ ناظر اعلیٰ اپنے محکموں کی رپورٹیں جمع کر کے ان کا ضروری خلاصہ خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔

صاحب البرید۔ ہر صوبے میں ڈاک کی حفاظت اور نگرانی کے لیے ایک صاحب البرید ہوتا۔ جس کی حیثیت پوسٹ ماسٹر جنرل کی ہوتی تھی۔ ڈاک تیز رفتار گھوڑوں کے ذریعے منزل بہ منزل پہنچائی جاتی تھی۔ خلیفہ معتصم کے زمانے میں کبوتروں سے بھی ترسیل ڈاک کا کام لیا جانے لگا، جاسوسی کا محکمہ بھی اس کے

سپرد ہوتا تھا۔ اس کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ تمام حالات و واقعات سے خلیفہ کو باخبر رکھے۔ ہر شہر میں صاحب البرید کا ایک نائب ہوتا تھا۔

امیر المنجنیق۔ یہ ایک فوجی انجینئر ہوتا تھا۔ اس کے ذمے راستوں کا بنانا۔ میدان جنگ اور کیمپ کے لیے جگہ کا انتخاب کرنا، دمدمے اور قلعے تعمیر کرنا۔ دشمن کے قلعوں کو مسمار کرنا تھا۔

کاتب۔ اس اہم عہدے پر جو شخص مامور ہوتا اس کی حیثیت ایک وزیر کی ہوتی تھی۔ اس کا کام باہر سے آئی ہوئی تحریروں کا خلیفہ کو سنانا۔ فرمان لکھنا۔ خلیفہ کے حکم کے مطابق احکام جاری کرنا اور ضروری دستاویزات کی حفاظت کرنا ہوتا تھا۔ اس کے ماتحت کئی ادارے شعبے ہوتے تھے۔

امیر التعمیر۔ محلاتِ شاہی کی تعمیر و مرمت، شہروں کی تعمیر، نہروں کا نکالنا۔ پُلوں کا بنانا اور بند باندھنا اس کے فرائض میں شامل تھا۔

امیر البحر۔ جنگی جہازوں اور بحری فوجوں کے افسر کو امیر البحر کہتے تھے۔ امیر البحر کے ماتحت کئی قائد ہوتے تھے۔ ہر ایک قائد کے ماتحت ایک جنگی جہاز

ہوتا تھا۔ اس کی حیثیت وہی تھی جو آج کل سمندری جہازوں کے کپتان کی ہے۔

طبیب۔ سرکاری مصارف سے کئی دوا خانے اور شفاخانے قائم تھے جن میں ہر ملک اور ہر مذہب کے طبیب اور انچارج کام کرتے تھے۔ اور عوام ان شفاخانوں سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ دارالخلافہ میں کئی تجربہ کار طبیب موجود تھے اور دربار میں بھی حاضر رہتے تھے۔ یہ لوگ علمی مجالس میں بھی شریک ہوتے تھے۔ ان میں سے اکثر نے دارالترجمہ اور بیت الحکمت کے لیے بیش بہا علمی خدمات انجام دیں۔

قابلِ ذکر سرکاری محکمے

دیوان العزیز۔ دربارِ خلافت کا نام دیوان العزیز بھی تھا۔ تمام دفاتر اور محکمے اس کے ماتحت ہوتے تھے۔ وزیر اعظم کو متعلقہ محکمہ جات کے حکام سے مشورہ کر کے احکامات جاری کرنے پڑتے تھے۔

دیوانِ خراج۔ یہ محکمہ خراج، زکوٰۃ، جزیہ، عُشر، دوسرے ٹیکسوں اور بیت المال کے محاصل و مصارف کے حساب کتاب کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

- دیوانِ توقیع - خلیفہ کے نام جو عرضداشتیں آتیں یہ محکمہ ان کے جوابات ارسال کرتا۔ یہ محکمہ شاہی احکام کی نقول کی حفاظت کا بھی ذمہ دار تھا۔
- دیوانِ کتابت - شاہی احکامات، سیاسی عہد نامے۔ صلح نامے اور شاہانِ ممالک سے خط وکتابت اس محکمہ کے سپرد تھی۔
- دیوانِ برید - اس محکمہ کا کام ڈاک کے انتظامات کی دیکھ بھال تھا۔
- دیوان الضیاع - سرکاری املاک کی غور و پرداخت کرتا تھا۔
- دیوان الاحداث - شاہی پولیس کا محکمہ جس کا افسر اعلیٰ صاحب الشرط کہلاتا تھا۔
- دیوان العطاء - سرکاری عطیات کے حساب کتاب رکھنے کا محکمہ
- دیوان الزمام - یہ محکمہ غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کرتا تھا۔
- دیوان العرض - اس کا تعلق فوج سے ہوتا تھا۔ اسلحہ سازی کے کارخانے بھی اس کے ماتحت ہوتے تھے۔
- دیوان الاقرحہ - اس کا کام یہ تھا کہ ملکی زراعت کو ترقی دینے کے لیے نہریں نکالنے کی سکیمیں مرتب کرے۔

۷۔ فوجی نظام

بنی عباس کے عہد میں اسلامی فوج اپنی تعداد اور اسلحۂ جنگ کے اعتبار سے دنیا کی بہترین فوجوں میں شمار ہوتی تھی۔ عباسیوں نے اس میں ایرانیوں اور خراسانیوں کو شامل کر کے ان کے اسلوبِ جنگ سے استفادہ کیا۔ فوج کے دو حصے ہوتے تھے۔

(۱) باقاعدہ فوج (۲) رضاکار۔

باقاعدہ فوج تنخواہ دار ہوتی تھی اور چھاؤنیوں میں رہتی تھی۔ رضاکار جہاد یا ضرورت کے وقت فوج میں شامل کر لیے جاتے تھے۔ انھیں اسلحہ اور خوراک حکومت کی طرف سے ملتی تھی۔ اس مدت کے لیے ان کے اہل و عیال کا روزینہ بھی مقرر کر دیا جاتا تھا۔

حملہ کے وقت فوج کی ترتیب یوں ہوتی تھی:۔ سب سے آگے رسالہ جس کے دونوں سروں پر خراسانی اور شمالی ایران کے ماہر تیر انداز ہوتے تھے۔ یہ دوڑتے ہوئے گھوڑے پر سے اتنی ہوشیاری اور مستعدی سے تیر چلاتے کہ ان کا نشانہ کبھی خطا نہ

ہوتا تھا۔ رسالے کے پیچھے پیدل دستے۔ ان کے پیچھے سامانِ خورد و نوش اور سب سے آخر میں توپخانہ ہوتا تھا۔ جس میں بھاری بھرکم منجنیقیں اور قلعہ شکن توپیں ہوتی تھیں۔

فوج کے ساتھ شفاخانہ بھی ہوتا تھا جس میں زخمیوں کی مرہم پٹی کی جاتی تھی۔ زخمیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے آرام دِہ پالکیاں ہوتی تھیں جنھیں اونٹ اٹھاتے تھے۔

فوج کے ساتھ انجینئر بھی ہوتے تھے جنھیں المنجنیقی کہا جاتا تھا۔ منجنیقیں اور قلعہ شکن توپیں اس انجینئر کی نگرانی میں ہوتی تھیں۔

بحری بیڑا۔ بحری بیڑے کی ابتدا اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہو چکی تھی۔ مگر امویوں نے اس کو بہت ترقی دی۔ عباسیوں کے دور میں بھی کافی طاقتور بیڑا تھا۔ ابتدا میں شام اور مصر کے ساحلی لوگ اس میں شریک ہوتے تھے بعد میں دوسرے علاقوں کے لوگ بھی بخوشی شریک ہونے لگے۔ عباسیوں کے عہد میں اسلامی بیڑے نے شاندار خدمات انجام دیں۔

محکمہ جاسوسی۔ عباسیوں کے عہد میں جاسوسی کا محکمہ بڑا منظم اور وسیع تھا۔ یہ لوگ سوداگروں اور واعظوں کے بھیس میں سلطنت میں پھرتے رہتے تھے اور ہر چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کی اطلاع خلیفہ کو دیتے رہتے تھے۔

علوم و فنون۔

عباسی دور میں علوم و فنون نے بڑی ترقی کی۔ بغداد تو علم و فن کا مرکز تھا۔ ہزارہا یونانی، ایرانی اور سنسکرت کی کتابوں کے عربی زبان میں ترجمے ہوئے۔ گرامر، ریاضی، اقلیدس، طب، فلسفہ، موسیقی، جغرافیہ اور احادیث کے متعلق بڑی قابل قدر کتابیں تصنیف ہوئیں۔ عربوں اور عجمیوں کے میل جول سے ایک نیا لٹریچر معرضِ وجود میں آیا۔ فارسی زبان کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ فردوسی، انوری اور سعدی اسی دور کے بلند پایہ شاعر تھے۔

بے شمار درسگاہیں تھیں۔ نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ اور مستنصر نے مدرسہ مستنصریہ قائم کیا۔ جن میں دنیا کے ہر ملک کے طالب علم شریک ہو کر دولت علم سے

مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔

اس دور میں عربوں نے علم تاریخ کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ عزالدین المشہور ابن الاثیر ایک مشہور تاریخ دان تھا۔ اس کے مکان پر ہر وقت طلباء کا ہجوم رہتا تھا۔ یاقوت حموی نے "معجم البلدان" کے نام سے جغرافیہ کی بہترین کتاب لکھی۔ احمد بن محمد نہاوندی مشہور سائنسدان اور یحیٰی بن ابی منصور ایک بہت بڑا مہندس اور ہیئت دان تھا۔ یعقوب بن اسحاق الکندی ایک بڑا فلسفہ دان تھا۔ اس نے ریاضی، اقلیدس، فلسفہ، کرّہ ہوائی اور طب پر کوئی دو سو کتابیں تصنیف کیں۔ موسٰی بن شاکر ایک عظیم انجینئر تھا۔ اس کے بیٹے ریاضی اور علم الافلاک میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے انھوں نے زمین کی پیمائش کی۔ موسٰی بن شاکر کا ایک بیٹا اسحاق الجبرے کا موجد تھا۔ بو علی سینا کو ہر فن میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ فن طب میں وہ جالینوس کا ہم پلہ تھا۔ مختلف علوم پر تقریباً ایک سو کتابیں لکھیں۔ جن میں قانون اور شفا بہت مشہور ہیں امام غزالی ایک بہت بڑے صوفی اور فلاسفر تھے۔ احیاء العلوم ان کی کتاب ہے۔ امام رازی بڑے عالم و

فاضل اور علوم عقلیہ اور نقلیہ کے امام تھے۔ ان کی مشہور تصنیف تفسیر کبیر ہے۔ ابوالحسن علی بن حسین المسعودی ایک مشہور مورخ اور جغرافیہ دان تھا۔ اس کی کتاب "مروج الذہب" تاریخ کی بے مثال کتاب سمجھی جاتی ہے۔ امام محمد شیبانی کی نو سو ننانوے کتب تھیں۔ کہتے ہیں کہ ہلاکو خان نے جب ان نادرۂ روزگار کتب کو جلایا تو یہ اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ تین دن تک جلنے کے بعد بھی لاکھوں کتابیں بچ گئیں۔ تو اس نے حکم دیا کہ ان کتابوں کو دریائے دجلہ میں پھینک دیا جائے۔ کہتے ہیں کہ ان کتابوں کی سیاہی سے ہفتوں دریائے دجلہ کا پانی سیاہ رہا۔

صنعت و حرفت

عباسیوں کے زمانے میں صنعت و حرفت نے بڑی ترقی کی۔ پہاڑوں سے معدنیات کے ذخیرے برآمد کیے گئے۔ خراسان کی لوہے، کرمان کی سیسے اور چاندی کی کانوں میں قابل ترین انجینیروں کے زیرِ نگرانی کام ہوتا تھا۔ تبریز میں چینی اور سنگِ مرمر، شمالی ایران میں

نمک اور گندھک اور جارجیا میں تیل کے ذخیرے معلوم کر کے ان کو کام میں لایا گیا۔

عراق کے اکثر شہروں میں بلّور سازی، کاغذ سازی اور صابن سازی کے کارخانے موجود تھے۔ بصرے کا صابن بہت مشہور تھا۔ متعصم نے بغداد اور سامرہ میں بڑے بڑے کارخانے کھولے۔ اسی کے عہد میں کاغذ بنانے کے کارخانے قائم ہوئے۔ اس زمانے میں مصر کاغذ بنانے میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ ایران کے شہروں میں زردوزی اور قالین بافی کے کارخانے تھے۔ کوفہ ریشمی اور نیم ریشمی پٹکوں کے لیے مشہور تھا۔ سوس کا کمخواب اور زربفت کا کپڑا بے نظیر تھا۔ خراسان میں غالیچے نمدے، پردے، چادریں اور ہر قسم کا اعلیٰ ادنیٰ کپڑا تیار ہوتا تھا۔ شام میں بلّور کے کارخانے تھے۔ بلّور کے برتنوں پر بڑی چابکدستی سے سنہری اور دوسرے رنگ بھرے جاتے تھے۔ بلّور کے شمعدان اور جھاڑ فانوس بنائے جاتے تھے۔

شماسیہ میں ایک اعلیٰ رصدگاہ تعمیر ہوئی۔ سائنسی ایجادوں میں بحری کمپاس اور دُوربین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

تجارت بڑے وسیع پیمانے پر ہوتی تھی ۔ قافلوں کی
حفاظت کے لیے سڑکوں کی حفاظت کی جاتی تھی ۔ ہر
ملک کا مال بغداد میں آکر بکتا تھا ۔ جس کی وجہ
سے یہ شہر تجارت کی بہت بڑی منڈی بن گیا تھا۔
صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی کا یہ نتیجہ ہوا
کہ لوگ خوش حال اور فارغ البال ہو گئے ۔ ان کے ہر
کام میں بڑی نفاست تھی ۔ مکانوں میں پائیں باغ اور
حوض ہوتے تھے ۔ چھوٹے سے چھوٹا گھر بھی قالین اور
فرش و فروش سے آراستہ ہوتا تھا۔

غرض بغداد اس وقت عروس البلاد کے نام سے
مشہور تھا۔ مسلمانوں کا یہ ایسا دور ہے جس کی نظیر تاریخ
میں نہیں ملتی ۔ بغداد کے مٹتے ہی عرب تہذیب و
تمدن پر بھی زوال آگیا۔

خلافتِ بنی عباس

مقبول انور داؤدی